بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

الحق

ماھنامہ

صفر ۱۴۲۲ھ مئی ۲۰۰۱ء

مدیر مسئول

مولانا سمیع الحق

علماء خطباء طلباء اور عام مسلمانوں کیلئے عظیم الشان

☆ خوشخبری ☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحؒ کے خطبات وافادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت

دعواتِ حق

(مکمل دو جلدوں میں)

مُرتبہ مولانا سمیع الحق مدظلہ، مہتمم دارالعلوم حقانیہ

نایاب ہونے کے بعد اب سہ بارہ شائع ہوگئی ہے۔ آج ہی حاصل کیجئے۔ ورنہ اس کی نایابی پر ایک بار پھر افسوس کرنا پڑے گا۔

دعواتِ حق ایک ایسا گنجینہ جسے اہل علم خطباً واعظین اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور قومی وملی پریس نے سراہا۔ جو ہر خطیب واعظ مقرر کیلئے پکی پکائی روٹی کا کام دیتا ہے جو رشد و ہدایت احسان و سلوک کے متلاشیوں کے لئے شیخ کامل کا کام دیتا ہے۔

دعواتِ حق دین وشریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل عروج وزوال نبوت ورسالت شریعت وطریقت کے ہر ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے۔

دعواتِ حق شیخ الحدیث محدث و مجاہد کبیر مولانا عبدالحق رحؒ کی عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی گفتگو اور خطبات کا ایسا مجموعہ ہے جو دلوں میں اتر کر یقین کو بیدار کر کے اصلاحی وایمانی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

فضلاء علماً، طلباً اور اہل مدارس کیلئے خاص رعایت ہوگی

صفحات جلد اول : ۶۷۲، قیمت ۲۱۰ روپے، صفحات جلد دوم : ۵۰۲، قیمت ۱۶۵ روپے

مئوتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

MAY 2001
جلد نمبر 36
شمارہ نمبر
صفر ۱۴۲۲ھ
مئی ۲۰۰۱ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: سود کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے انحراف کیوں؟

مرد قلندر مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کی رحلت .... مدیر ۲

نظام اکل وشرب میں شریعت کی رہنمائی (درس ترمذی) ...... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۵

اکیسویں صدی کا جہاد قرآن حکیم کے حکم سے .... مولانا محمد شہاب الدین ندوی ۱۷

بزرگانِ دیوبند اور ان کی خدمات ملی .... ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ۳۵

مولانا اسرار الحق صدیقی کی وفات تعزیتی خطاب .... ضبط وترتیب مولانا حامد الحق ۵۶

لاالہ الااللہ (نظم) .... مولانا محمد ابراہیم فانیؔ ۵۸

قبلہ اولیٰ اور قبلہ ثانیہ کے مابین تعلق .... علامہ اسرار الحق حقانی ۵۹

تعارف و تبصرہ کتب .... م-ا-ف ۶۲

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630435 , 630340 -(0923)
ای میل نمبر: E-Mail : haqania@nsr.pol.com.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/20روپے سالانہ =/200روپے، بیرون ملک 20$امریکی ڈالر
ناشر مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

Baber Hanif Computer Composter

نقش آغاز راشد الحق سمیع حقانی

سود کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے انحراف کیوں؟

اسے مملکت خداداد پاکستان کی بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے قیام ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک (۵۳ سالوں میں) یہاں خدا کا نظام نافذ نہ ہو سکا۔ اور نہ ہی مستقبل میں اس کے عملی نفاذ کے لئے مقتدر قوتیں سنجیدہ ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس مقصد اور جس نظام کے لئے بر صغیر کے مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دے کر یہ خطہ حاصل کیا تھا تو نتیجتاً ۲۷ رمضان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہی یہاں پر زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کا حقیقی اور عملی نفاذ کا مظاہرہ کیا جاتا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ہمارے قومی رہنماؤں نے شروع ہی سے اس سے اعراض برتا۔ اور اگر اس کے لئے کچھ کوششیں وقتاً فوقتاً ہوتی بھی رہیں تو اسے ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا گیا۔ خصوصاً سود اور اسلامی بینکنگ کے حوالے سے اس مسئلہ پر یہاں کافی لے دے ہو چکی ہے۔

کچھ عرصہ قبل سپریم کورٹ آف پاکستان نے ایک طویل عرصے سے اسلامی حلقوں اور مغربی نظام کے علمبرداروں کے درمیان ہونے والی عدالتی جنگ کے بارے میں طویل بحث و تمحیص کے بعد سودی نظام کے رد میں اپنا تاریخ ساز فیصلہ سنایا اور حکومت کو حکم دیا کہ وہ ۳۰ جون ۲۰۰۱ء تک ملک سے سود کی لعنت کو ختم کرے۔ لیکن حکومت اور اس کے بینکوں اور مالیاتی اداروں نے سپریم کورٹ کے فیصلے کو کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی عدالتی فیصلے کے مطابق سود کے خاتمے کے لئے سنجیدہ کوششیں کیں۔ اب جبکہ یکم جولائی سے سودی نظام سے پاک معیشت اور بینکنگ کا نیا نظام شروع ہونے کا وقت سر پر آپہنچا ہے تو اسی وقت یو بی ایل اور دیگر مالیاتی اداروں نے حکومتی ایماء پر اس فیصلے کے خلاف نئی اپیل دائر کر دی ہے اور سپریم کورٹ سے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کے لئے کہا جارہا ہے۔ تاکہ اس بہانے انہیں مزید وقت مل سکے اور ملک میں اسلام کے نفاذ کے باب میں ہونے والی کوششوں کا راستہ روکا جاسکے۔ اس پر پورے ملک میں ایک اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے کیونکہ قوم سپریم کورٹ کے فیصلوں کے بعد یکم جولائی کا شدت سے انتظار کر رہی تھی کہ دیر سے سہی لیکن بالآخر ہمارے آنگن میں حقیقی سحر کی کرنیں تو پھوٹنے والی ہیں۔ لیکن ع بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس نازک صورتحال میں ایک بار پھر حسب سابق جمعیت علمائے اسلام نے دینی اور ملی رہنماؤں کو اکٹھا

کرنے کیلئے کراچی میں جمع کیا۔ اس آل پارٹیز کانفرنس کے میزبان اور صدر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ تھے۔ آپ نے ان تازہ منفی اقدامات اور حکومتی لیت و لعل کا جائزہ لینے کے لئے جمعیت علمأ پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی' جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور جماعت اسلامی کے قاضی حسین احمد صاحب کے علاوہ دیگر تنظیموں کے سربراہوں کو اکٹھا کیا۔ ان تمام رہنماؤں نے دینی حمیت اور عوامی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت اور بینکوں پر یہ واضح کیا کہ ہم تمہارے روایتی دین دشمن اقدامات کو اب مزید برداشت نہیں کریں گے اور سودی نظام کو ملک میں مزید چلنے نہیں دیں گے۔

ہماری سپریم کورٹ آف پاکستان سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور اس نئی درخواست کو مسترد کر کے حکومت اور بینکوں کو واضح ہدایت دی جائے کہ کورٹ کے سابقہ فیصلے پر ہر حال میں یکم ائی سے عمل درآمد کیا جائے۔ اگر خدانخواستہ کورٹ نے حکومتی دباؤ میں آکر اپنے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کی تو اس سے اس کی رہی سہی ساکھ بھی متاثر ہوگی۔ کیونکہ ملک میں عدلیہ اور سپریم کورٹ کا کردار کئی حوالوں سے مجروح ہوا ہے۔ البتہ سود کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے اس کی کھوئی ہوئی ساکھ اور عزت بحال ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ہم امید کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ آف پاکستان اللہ کے قانون کی حاکیت کو ہی مقدم رکھتے ہوئے دو قومی نظریہ اور پاکستانی مسلمانوں کے جذبات کا ہر حال میں پاس رکھے گی۔

مردِ قلندر مولانا عبدالستار خان نیازی کی رحلت

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا

بالآخر مولانا عبدالستار خان نیازی بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ مولانا مرحومؒ ہمارے اس قافلے کے آخری مسافر تھے جن میں تہذیب و شرافت' دیانت و امانت' دینی حمیت اور ملی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مولانا مرحومؒ کی شکل میں ایک تاریخ ساز شخصیت ہمارے درمیان موجود تھی۔ مولاناؒ کی جدائی نے ملک کے سیاسی اور قومی خلاء میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی شخصیت پر ساری عمر کسی قسم کا داغ دھبہ لگنے نہیں دیا۔ عمر بھر جیئے بھی تو شان سے جیئے۔ بڑے سے بڑے آمر و جابر' حکمران اور روایتی جاگیرداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مرے بھی تو اس شان سے مرے کہ ورثے اور میراث میں صرف چار جوڑے کپڑوں اور کتابوں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ ع بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ہمارے ملکی سیاست کے علمبرداروں اور قومی رہنماؤں کے لئے مولانا مرحومؒ کی زندگی اور موت

دونوں ہی درس عبرت و نصیحت ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام پہلو اتنے روشن اور تابناک ہیں کہ اس پر مزید روشنی ڈالنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہوگا۔ آپ کی جدوجہد ملک و دین کے لئے خدمات بھی روز روشن کی طرح واضح اور پاکستان کی تاریخ کا زرین باب ہیں۔ ہر قومی اور دینی تحریک میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا' خصوصاً جنرل ایوب اور ذوالفقار علی بھٹو کے آمرانہ ادوار میں آپ کے مجاہدانہ کردار و گفتار کو جو پذیرائی ملی وہ بھی ایک ریکارڈ ہے۔ اگرچہ آپ بریلوی مکتب فکر کے چوٹی کے رہنما اور پیشوا تھے لیکن اعتدال اور میانہ روی جس قدر آپ میں تھی اس کی نظیر الا ماشاء اللہ دوسرے حضرات میں سے ملتی ہے۔ کبھی مسلکی شکن آپ کے خوبصورت ماتھے پر نمودار نہ ہوسکی اور نہ کبھی آپکے کشادہ دل میں تعصب کو جگہ مل سکی۔ جمعیت علمائے اسلام جو مسلک دیوبند سے وابستہ سیاسی جماعت ہے نے جب بھی کسی دینی مسئلے یا قومی امور میں آپ سے تائید مانگی تو مولانا نیازیؒ نے بھرپور معاونت سے نوازا۔ جیسے پارلیمنٹ میں شریعت بل کی حمایت اور عوام میں اس کی پذیرائی کے لئے جدوجہد کرنا متحدہ علماء کونسل' ملی یکجہتی کونسل' دفاع افغانستان کونسل جیسی تمام تحریکات اور نکات پر آپ نے ہماری بھرپور سرپرستی فرمائی۔ پھر آپ کا یہ بھی امتیازی وصف رہا کہ دیگر تمام مسلکوں سے وابستہ افراد اور تنظیموں میں آپ ہی وہ پہلے فرد واحد تھے جنہوں نے تحریک طالبان افغانستان کی مکمل تائید و حمایت کی۔ فتح کابل کے دوسرے روز یہاں جامعہ حقانیہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ مولانا مرحومؒ باوجود ضعف کے یہاں تشریف لائے اور ببانگ دہل تحریک طالبان کی حمایت میں ایک یادگار خطاب کیا۔ پھر اس کے بعد آخر دم تک آپ طالبان کے نفاذ اسلام کے حق میں رطب اللسان رہے۔

آپ عمر بھر مجرد رہے لیکن قومی اور ملی خدمات میں ایسے منہمک رہے کہ بس اسی سے آخر دم تک نباہ کئے رکھا۔ بہر حال آپ ایک مرد قلندر تھے۔ حق گوئی اور حق شعاری آپ کا نمایاں وصف رہا۔ آپ نہ صرف ایک بے باک و دبنگ شخصیت کے مالک تھے بلکہ آپکی شیر جیسی گرجدار صوت و آہنگ سے پارلیمنٹ اور باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا رہتا اور اس کے ساتھ غضب کی طویل القامتی وجاہت اور خوبصورتی نے آپ کی شخصیت کو اور بھی نکھار رکھا تھا' دستار کا مخصوص شملہ بھی آپ کا خصوصی طرہ امتیاز رہا۔ جسکی عظمت اور حرمت کا بھرم آپ نے آخر دم تک قائم و دائم رکھا۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو　　　تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

قومی منظر سے آپ کے قد کاٹھ اور عظیم کارناموں والی شخصیت کا اٹھ جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی میوزیم سے اسکی معروف اور مرکزی نادر چیز غائب کردی جائے۔ خداوند سے دعا ہے کہ خلد بریں کا یہ مسافر عرش کے سایہ تلے سکون اور راحت سے رہے۔ (امین)　　ع　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

درس ترمذی شریف

افادات : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ضبط وترتیب : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

نظامِ اکل وشرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذی کی جامع السنن کی کتاب الاطعمہ کی روشنی میں

باب ماجاء فی کراهیة القران بین التمرتین

دو کھجوروں کو ملا کر کھانا مکروہ ہے

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا ابو احمد الزبيرى وعبيد الله عن الثورى عن جبلة بن سحيم عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ ان يقرن بين التمرتين حتى يستاذن صاحبه. وفى الباب عن سعد ولى ابى بكر هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ : ہمیں محمود بن غیلان نے روایت کی ان کو ابو احمد الزبیری اور عبید اللہ نے روایت کی انہوں نے سفیان الثوری سے انہوں نے جبلہ بن سحیم سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور ملا کر کھانے سے منع کیا ہے یہاں تک کہ اُپنے ساتھی سے اجازت جو کھجور کھانے میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اس باب میں سعد مولی ابو بکر سے بھی روایت مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح : اس باب میں بھی رسول اللہ ﷺ کھانے نے کا ایک اور ادب بیان فرماتے ہیں کہ جب کھانا ایک نوع کا ہو اور شرکاء زیادہ ہوں تو ایک ساتھ کھانے کی صورت میں ایک ایک دانہ اٹھانا چاہیے دو دو اور تین تین نہیں اٹھانا چاہیے چاہے وہ کھجور ہو یا انگور' اخروٹ یا بادام یا کوئی اور چیز ہو' یہ اسلئے مناسب نہیں اس میں کئی قباحتیں ہیں

(۱) ایک تو حرص اور لالچ پر دلالت کرتا ہے جو عیب ہے۔

(۲) دوم اس میں اپنے ساتھی کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہے تو اس میں غبن اور غصب آتا ہے جو [illegible] ما جائز نہیں اس لئے کہ ساتھی نے دس دانے کھجور کھائے ہونگے اور آپ نے بیس یا تیس کھانے ہوں گے۔

(۳) اس میں تیسرا عیب یہ ہے کہ جب انسان کو بہت زیادہ بھوک لگی ہو اور وہ دو یا تین دانے یا لقمے اکھٹے

کھالے تو ممکن ہے کہ اس کے گلے میں اٹک جائیں۔
یستاذن صاحبه ۔ ہاں اگر اپنے ساتھی سے اجازت لے اور وہ اسکی اجازت دے تو پھر جتنا چاہے ملا کر کھائے۔

اسی طرح آج بھی یہی حکم ہے کہ کئی ساتھی اکٹھے کھانا کھا رہے ہیں تو ایک کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تمام یا زیادہ گوشت اپنے سامنے ڈالے اور باقی ساتھیوں کے لئے صرف شوربہ چھوڑدے بلکہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے، بلکہ مستحب یہ ہے کہ دوسرے ساتھیوں کو اپنے اوپر ترجیح دے دی جائے۔ اگرچہ اس روایت سے کھجور دو دو ملانے کی کراہت اور ممانعت ثابت ہے مگر تین تین ملانے کا حکم بدرجہ اولی ثابت ہوا اسی طرح یہ حکم صرف کھجور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر چیز کیلئے ہے کہ جب ساتھی ایک ساتھ کھانا کھاتے ہوں تو ایک ایک دانہ کھانا چاہیے تاہم اگر اکیلے ہو تو جیسے چاہے کھایا کرے۔

حکم قران بین التمرتین دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کے منع ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے البتہ اس کے صفت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ نہی حرمت کی ہے یا کراہت اور ادب کی۔ تو اھل ظواہر نے اس کو تحریم پر محمول کیا ہے۔ اور دوسرے اہل علم فقہاء اور محدثین نے کراہت اور سوء ادب پر محمول کیا ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر یہ کھانا سب ساتھیوں کا مشترک ہو تو بدون رضا سب کے (ملا کر کھانا) حرام ہے رضا چاہے صراحتا ہو یا دلالۃ وغیرہ۔ اور اگر کسی ایک کا ہو یا اور لوگ لا چکے ہوں تو صرف ان کی رضا ضروری ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی انکے (کھانا لانے والوں) کے علاوہ دوسرے شرکاء سے اجازت لینا بھی مستحب ہے۔ اور اگر کھانا اپنا ہو تو اگر کھانا کم ہو تو دوسروں سے اجازت لینا مناسب ہے تاکہ سوء ظن نہ آجائے۔ اور اگر زیادہ ہو تو پھر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ مروت یہ ہے کہ اجازت لے لی جائے۔

علامہ خطابیؒ نے اس نہی کو آپ ﷺ کے زمانے سے خاص کیا ہے کیونکہ اس وقت خوراک کی بہت کمی تھی مگر آج کل خوراک کی فراوانی کی وجہ سے اجازت کی ضرورت نہیں، مگر آپؒ کی یہ بات صحیح نہیں اس لئے اگر کسی کے بھوکا رہنے کا خوف نہیں مگر دوسرے نقائص ضرور ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کو ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں۔

باب ماجاء فی استجاب التمر

کھجور کا پسندیدہ خوارک ہونا

حدثنا محمد بن سہل بن عسکرو عبداللہ بن عبدالرحمان قالا حدثنا یحیٰ بن حسان حدثنا سلیمان بن بلال عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃؓ عن النبی ﷺ قال

بیت لاتمر فیه جیاع اهله۔

وفی الباب عن سلمی امرأة ابی رافع هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه لا نعرفه من حدیث هشام بن عروة الامن هذا الوجه۔

ترجمہ: ہمیں محمد بن سہل نے انہوں نے عسکری اور عبداللہ بن عبدالرحمان سے روایت کی دونوں فرماتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن حسان نے اور ان کو سلیمان بن بلال نے اور انہوں نے ہشام بن عروہؒ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اور آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ جس گھر میں کھجور نہ ہو وہ گھر والے بھوکے ہیں۔

اس باب میں حضرت سلمیٰ زوجہ ابو رافع سے بھی روایت مروی ہے یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر ہشام بن عروہ کی سند سے۔

تشریح: اس باب میں جناب رسول اللہ ﷺ کھجور کے ساتھ پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کہ کھجور کی موجودگی میں کوئی گھر بھوکا نہیں ہوگا۔

کھجور کا درخت دنیا بھر کے اکثر ممالک میں بکثرت پایا جاتا ہے مگر مشرق وسطیٰ' امریکہ اور ایشائی ممالک میں یہ بکثرت ہوتا ہے۔ پاکستان کے چاروں صوبوں میں یہ درخت موجود ہیں مگر خیرپور' ڈیرہ غازی خان اور ملتان وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ بعض علاقوں میں کھجور کی کئی اقسام کی کاشت بھی کی جاتی ہیں۔

کھجور میں نر و مادہ:

کھجور میں دیگر نباتات کی طرح مذکر و مونث بھی ہیں۔ مذکر کھجور پھل نہیں دیتا مگر اس کا دانہ مونث پودوں کو بار آور کر دیتا ہے یہ دانے یا تو ہوا کے ذریعے پہنچتے ہیں یا باغبان خود پہنچاتے ہیں۔

کھجور کی عمر:

یہ درخت دوسرے درختوں کی بنسبت زیادہ عمر والا ہوتا ہے یہ تقریباً ۱۵۰ سال تک اس کی عمر ہوتی ہے' اور اس کا پھل گچھوں کی شکل میں ہوتا ہے بعض گچھوں میں ایک ایک ہزار دانے ہوتے ہیں۔

مذاہب اور کھجور:

دنیا میں جتنے بھی مذاہب آسمانی یا خود ساختہ رائج ہیں اکثر میں کھجور کو مقدس مانا گیا ہے' ہندو اس کو اپنے درگاہوں میں پوجا کے لئے رکھتے ہیں۔ عیسائی اپنے تہوار انہی پر مناتے ہیں اور اسلام میں تو اس کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسلمان درخت فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے۔

تورات اور انجیل میں تقریباً ۴۸ مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ میں اس کا ذکر اب

گزشتہ ابواب میں پڑھ چکے ہیں۔ حدیث کی دوسری کتابوں مثلاً بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور سنن نسائی وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا خود خوب شوق سے کھجور کھانے کا ذکر موجود ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت بسرؓ کے بیٹے کی رویت ہے: دخل علینا رسو ل الله ﷺ فقد منا زبدا وتمراً وکان یحب الزبد والتمر۔ کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے آپکے سامنے کھجور اور مکھن پیش کیا اور آپ ﷺ کو مکھن اور کھجور زیادہ پسند کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے شادی کے موقع پر ولیمہ میں لوگوں کو کھجور ہی کھلاتے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

فدعوت المسلمین الی ولیمة امر بالا نطاع فبسطه فالقین علیها التمر والذقد والسمن۔

"میں نے مسلمانوں کو ولیمہ کیلئے بلایا جب چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا تو اس پر کھجور، پنیر اور گھی رکھا گیا" اسی طرح اور بھی بہت ساری روایات کھجور کی افادیت پر دال ہیں۔

کھجور کے فوائد:

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے اندر بے شمار فوائد رکھے ہیں جب کسی کا بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو بطور گھٹی استعمال کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس نوزائیدہ بچوں کو کھجور بطور گھٹی استعمال کراتے تھے۔

حضرت اسماؓ بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں جب عبداللہ بن زبیر قباؒ میں پیدا ہوئے:

فاتیت به رسول الله ﷺ فوضعته فی حجره دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فیه ثم حنکه ثم دعاله و برك علیه فکان اول مولود ولد فی الاسلام۔

میں اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئی اور آپ کی گود میں ڈال دیا آپؐ نے کھجور منگوائی اور اسے اپنے منہ میں چبایا اور پھر اپنا لعاب اور کھجور دونوں بچے کے منہ میں ڈال کر اسکے تالوں پر لگادیا اور اسے برکت کی دعا کی اور یہ پہلا بچہ تھا جو عہد اسلام میں پیدا ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کئی بچوں کو اسی طرح گھٹی دے چکے تھے 'طب نبویؐ کے ماہرین حکما اور علماء نے اس کے کئی فائدے لکھے ہیں:

☆ نہار منہ کھانے سے پیٹ کے اندر کیڑے مر جاتے ہیں۔

مسند الفردوس میں آپ ﷺ کی روایت ہے کہ کلوا التمر علی الریق فانه یقتل الدود کہ تم نہار منہ کھجور کھایا کریں یہ کیڑوں کو قتل کر دیتا ہے۔

☆ روایت سے ثابت ہے کہ جذام کیلئے بھی کھجور مفید ہے رسول کریمؐ نے خود جذامی کیلئے تجویز کئے تھے۔

☆ دل کے دورہ کیلئے بھی فائدہ مند ہے۔ ابو داؤد میں آپ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ دورہ قلب میں پڑھ چکے ہوں گے۔ آپؐ نے اس کیلئے کھجور ہی تجویز فرمائی تھی۔

☆ چونکہ اس کی طبیعت گرم ہے اسلئے حیض و نفاست کے ایام میں بھی فائدہ مند ہیں۔

☆ کھجور کی گھٹلی جب جلا کر دانتوں پر ملی جائے تو دانت کی صفائی کیساتھ ساتھ اسکی بدبو بھی ختم ہو جاتی ہے

☆ کھجور کے کھانے سے بدن میں قوت آتی ہے اور صفرائی مرض جو کمزوری کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہو تو اس کے دور کرنے میں مفید ہے۔

☆ اسی طرح قوت باہ اور جسمانی قوت کے لئے بھی ایک مفید خوراک ہے۔

☆ کھجور کے درخت سے جو گوند نکلتا ہے یہ آنتوں گردوں اور پیشاب کی نالیوں میں سوزش ہوتی ہے اس کے استعمال سے تکلیف ختم یا کم ہو جاتی ہے۔

☆ کھجور کے کھانے سے پرانی قبض دور ہو جاتی ہے اسی طرح تپ دق کے مرض میں مبتلا شخص کیلئے کارآمد ہے۔

تو اس باب میں کھجور کی فضیلت اور اس کا پسندیدہ ہونا بیان ہو رہا ہے اس لئے کہ استحباب کا تعلق افعال واعمال سے ہوتا ہے جبکہ کھجور کوئی عمل نہیں کہ ہم اس کو فرض یا واجب یا مستحب کہیں۔ اشیاء کے ساتھ ان کا تعلق نہیں ہوتا لیکن یہاں استحباب التمر سے مراد معنی شرعی نہیں بلکہ استحباب لغوی یعنی محبوب بنانا مراد ہے تو گویا باب کا مطلب کھجور کی افضلیت اور اس کا محبوب ٹھہرایا جانا ہے۔ اگر کسی کے گھر میں گندم مکئی یا آٹا وغیرہ اور دوسری اشیا کھانے پینے کی نہ ہوں مگر صرف کھجور کی ایک بوری پڑی ہے تو یہ بھی رزق الٰہی ہے۔ اس پر شکر ادا کرنا چاہیے ناشکری مناسب نہیں۔

الغرض کھجور بھی ایک قسم کی خوراک ہے کسی گھر میں یہ بھی نہ ہوں تو اس گھر والے بھوکے کہلا سکتے ہیں ورنہ نہیں اسی طرح اس باب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس گھر میں دوسرے بہت ساری اشیاء خوردنی ہوں لیکن کھجور بھی برکت کے لئے گھر میں ہونے چاہیے۔

بیت لاتمر فیه جیاع اهله:

اس روایت کا مطلب یہ نہیں کہ جس گھر میں کھجور نہ ہو اور باقی بہت ساری نعمتیں مثلاً گندم مکئی وغیرہ موجود ہو تو وہ گھر والے بھوکے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو باقی نعمتیں نہیں دی ہیں اور ان کے گھر میں کھجور بھی نہیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو بھوکے کہہ سکتے ہیں اور اگر دوسری نعمتیں نہ ہوں اور صرف

کھجور ہو تو اپنے آپ کو بھوکے نہیں کہہ سکتے۔

اسی طرح جب کسی ملک میں صرف کھجور ہی موجود ہوں اور باقی اشیاء نہ ہوں تو وہ ملک کھانے کے معاملے میں خود کفیل ہے، قحط زدہ نہیں۔ اسی طرح ایک گھر میں صرف گندم ہو اور باقی اشیاء نہ ہوں تو وہ گھر والے بھوکے نہیں کہلا سکتے اور اگر کسی گھر یا ملک میں صرف مکئی موجود ہو تو وہ لوگ بھی بھوکے نہیں۔

لہذا باب کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی گھر یا ملک میں کوئی ایک نعمت خداوندی موجود ہو تو اس کے باشندے اپنے آپ کو بھوکا نہ کہیں بلکہ قناعت کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اس میں قناعت شعاری کی تلقین ہے باب کی روایت کھجور کا ذکر اس لئے ہے کہ عرب اور اس کے گرد نواح میں صرف کھجور پائی جاتی ہیں۔

باب فی الحمد علی الطعام اذا فرغ منه
کھانے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا چاہیے

حدثنا هناد و محمود بن غیلان قالا حدثنا ابواسامة زکریا بن ابی زائدة عن سعید بن ابی بردة عن انس بن مالکؓ ان النبی ﷺ قال ان الله لیرضی عن العبدان یاکل الاکلة او یشرب الشربة فیحمده علیها۔

وفی الباب عن عقبة بن عامرؓ وابی سعیدؓ وعائشةؓ وابی ایوبؓ وابی هریرةؓ۔

هذا حدیث حسن وقد رواہ غیر واحد عن زکریا بن ابی زائدة نحوہ ولا نعرفه الامن زکریا بن ابی زائدة۔

ترجمہ: ہمیں ھناد اور محمود بن غیلان نے روایت کی ہے دونوں فرماتے ہیں کہ ہمیں ابواسامہ زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کی انہوں نے سعید بن ابی بردہ سے انہوں نے انس بن مالکؓ سے آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اس بندے سے کہ جب وہ ایک لقمہ بھی کھائے یا ایک گھونٹ پانی پئے اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے شکر ادا کرے۔

اس باب میں عقبہ بن عامرؓ، ابو سعید الخدریؓ، حضرت عائشہؓ، ابوایوبؓ اور ابوھریرہؓ سے بھی روایات مروی ہیں۔

یہ حدیث حسن ہے اور بہت سارے لوگ زکریا بن ابی زائدہ سے اس طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں اور ہم نہیں جانتے اس حدیث کو مگر زکریا بن ابی زائدہ کی سند سے۔

تشریح: اس باب میں یہ کھانے پینے کا ایک اہم ادب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد وثنا کرنا چاہیے اس لئے کہ ہر قدم پر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات میں ڈوبا ہوتا ہے تو ہر ایک نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نعمت کی شکر گزاری حمد باری تعالیٰ ہے کھانا بھی ایک عظیم نعمت ہے انسان اس کی وجہ سے زندہ سلامت رہتا ہے تو جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے: الحمد لله الذی اطعمنا وسقنا و جعلنا من المسلمین اگرچہ صرف الحمدللہ کہنا بھی کافی ہے۔ نعمت کو ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے اور جب فارغ ہو جائے تو الحمدللہ پڑھے۔

قال ان الله لیرض عن العبد: اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے کہ جب کوئی بندہ ایک وقت مثلاً صبح کا ناشتہ کرے تو یہ ایک اکلہ ہوا یا دوپہر کا کھانا کھانے اور فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں یا صبح چائے پئے یا دوپہر کو چائے یا کسی اور وقت چائے یا پانی پیئے تو وہ ایک شربۃ ہے اور اس پر اللہ کی تعریف کرے تو اللہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے۔

الاکلة:

یہ لفظ دو طرح سے پڑھا جاتا ہے الاکلة بضم الهمز، اس کا معنی لقمۃ یعنی جب ایک لقمہ کھائے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف وحمد ثنا بیان کرے۔

الاکلة:

بفتح الهمز، بروزن فعلة اس کا معنی ہے ایک بار کھانا جس میں دوپہر کا کھانا یا عشاء کا کھانا ' صبح کا ناشتہ وغیرہ پیٹ بھر کر شامل ہے۔

اس لئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اکلۃ اس ایک بار کھانے کو کہا جاتا ہے جو پیٹ بھر کر ہو۔ یہاں الاکله بفتتح الهمزه زیادہ مناسب اور موافق ہے۔

الشربة:

اسی طرح الشربۃ میں بھی دونوں احتمال ہیں اور اس کی تفصیل بھی یہی ہے کہ بضم الشین ایک گھونٹ کو کہا جاتا ہے اور بفتح الشین ایک بار پیٹ بھر کر پینے کو کہا جاتا ہے جو یہاں مراد ہے۔

ترکیب میں دونوں اپنے عوامل کے لئے مفعول مطلق واقع ہیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر ہر لقمے اور ہر ہر گھونٹ پر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہے۔

فیحمده:

اگرچہ یحمد کو ان کی تقدیر کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا مگر دال پر ضمہ حالت رفعی بھی جائز ہے۔

باب ماجاء علی ما کان یاکل النبی ﷺ

نبی کریم ﷺ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے

حدثنا محمد بن البشار حدثنا معاذ بن ہشام ' حدثنی ابی عن یونس عن قتادة عن انسؓ قال ماأکل النبی ﷺ علی خوان ولا سکرجة ولاخبرله مر قق فقلت لقتادة فعلی ماکانوا یاکلون؟ قال علی هذه السفر

هذا حدیث حسن غریب ' قال محمد بن بشار : یونس هذا هو یونس الاسکاف وقد روی عبدالوارث عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن انسؓ نحوه.

ترجمہ : ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا ان کو معاذ بن ھشام نے روایت کی انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے یونس سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میز پر نہیں کھایا نہ چھوٹی طشتری میں کھایا نہ آپؐ کے لئے چپاتی پکائی گئی۔ تو میں نے قتادہ سے کہا کہ پھر آپؐ کس چیز پر کھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ان چمڑے کے دستر خوانوں پر۔

یہ حدیث حسن غریب ہے 'محمد بن بشار نے کہا کہ یونس سے مراد یونس الاسکاف ہے اور عبدالوارث نے روایت کی سعید بن ابی عروبۃ سے انہوں نے قتادۃ سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے اسی طرح روایت کی ہے۔

تشریح: حضور نبی کریم ﷺ کھانا پینا کس طریقے پر فرماتے تھے۔ پہلے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ کھانا کھانے کے لئے اچھی ہیت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ لوگ تو کھڑے کھڑے بھی کھانا کھاتے ہیں 'کرسیوں پر بیٹھ کر بھی خوراک کھاتے ہیں۔ یہ تمام طریقے تکبر اور عیاشی کے ہیں تو اسلام یہ کہتا ہے کہ وہ طریقے اختیار کرنے چاہیے کہ اس میں نعمت کی تعظیم ہو اور تعظیم منعم بھی ہو اگر جیسا کہ تم کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے ہوئے کھانا کھاتے ہو تو گویا تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری اور بے قدری کرتے ہو اس لئے تو آپ ﷺ نے یہ طریقے اختیار نہیں فرمائے۔ جو طریقے تکبر تفاخر اور کفران نعمت پر دلالت کرتے ہیں۔ یا امتاع بطن کی حالت میں کثرت اکل کا باعث بن جاتے ہیں۔

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا معاذ (الی آخر السند) (قال ماأکل النبی علی خوان) رسول اللہ ﷺ نے خوان پر کھانا نہیں کھایا خوان ماله قوائم صغار خوان وہ ہے جس کے چھوٹے چھوٹے پاؤں ہوں۔

جیسا کہ ہماری یہ تپائیاں ہیں یہ تپائیاں گویا دو دو بالشت اس کے پاؤں ہوتے ہیں اور اس پر خوانچہ رکھتے

ہیں پلیٹ اور طشت رکھتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں جو بالکل میز ہوتی ہے اور لوگ اس کے لئے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور ایک وہ جس پر عرب وغیرہ کے ملکوں کا دستور ہے کہ ایک تپائی کی طرح کی بلند چیز ہوتی ہے' مربع ہوتی ہے یا گول ہوتی ہے جو تقریباً آدھا فٹ بلند ہوتی ہے اس پر خوراک کرتے ہیں۔

خوان کس زبان کا لفظ ہے ؟

خوان فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہ اس سے معرب ہے خُوان (بالفتح) بھی اسے کہتے ہیں اور خِوان (بالکسر) بھی کہتے ہیں ابن الناس فرماتے ہیں کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور فارسی سے معرب ہو کر عربی بنا ہے اور بعض اہل لغت فرماتے ہیں کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے تو یہ پھر یہ خان یخون سے ہے۔اور خیانت کا معنی ایک چیز کا ختم کرنا ہے کم کرنا یا گھٹانا ہے تو فرماتے ہیں کہ لا نه يتخون ماعليه تو خوانچہ میں جو بھی اچھے اچھے کھانے رکھے ہوئے ہوتے ہیں تو دس منٹوں کے بعد دیکھنے پر ہر چیز غائب ہو جاتی ہے خیانت اگرچہ ناجائز امور میں آتی ہے۔ لیکن مطلق ایک چیز کا گھٹانا' ختم کرنا اسے بھی خیانت کہا جاتا ہے خائن ہوا۔ کہتے ہیں کہ چیز اس نے کھائی۔ لانه يتخون ماعليه يعنى لانه ينقص ماعليه" بر سبیل لطیفہ عرض ہے کہ یہ آجکل جو خانان (خوانین) کا لفظ ہے یہ بھی اس مادے سے لگتا ہے اس لئے کہ یہ لوگ بھی قومی اموال کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔

مائدہ کی تحقیق :

اسی طرح خوانچے کی بجائے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے جسے مائدہ کہا جاتا ہے۔ مائدہ بھی دستر خوان کے لئے بولا جاتا ہے۔ تو یہ ظرف ہے اس پر لوگ کھانے کھاتے ہیں مائدہ مید سے ہے اور مید کہا جاتا ہے حرکت کو مادہ یمید یعنی حرکت کرنا۔ان تميد بكم ۔ قرآن میں یہ سب کچھ ہے یعنی ان لا تميدبكم یعنی پہاڑ ہم نے ٹھونک دیئے زمین پر تاکہ جھولے کی طرح متحرک نہ ہو تو اب مائدہ کو مائدہ کیوں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس پر حرکت ہی حرکت ہوا کرتی ہے تو جب بھی اس پر کسی کے سامنے خوراک رکھی جاتی ہے تو ہاتھ تمام کے تمام حرکت میں آجاتے ہیں۔ یہ طشت لیتے ہیں وہ لیتے ہیں یعنی تمام ہاتھ حرکت میں ہو جاتے ہیں تو حرکت اس کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مقامات میں ہے کہ ابو زيد مكب على اعمال يديه یعنی ابوزید دونوں سے کھانا میں لگا ہوا تھا۔

ولا في سكرجة:

نہ رسول کریم ﷺ نے چھوٹے چھوٹے طشتوں اور پلیٹوں میں کھانا تناول فرمایا ہے۔ آج کل دیکھا ہو گا بڑے برتنوں میں خوراک ڈالی جاتی ہے۔ پھر اس سے لوگ چھوٹے چھوٹے برتنوں (پلیٹوں) میں ڈالتے ہیں اور یہ اب عام رواج بن چکا ہے یہ بھی مترفین کی عادت ہے۔ اور وہاں تو سادگی تھی۔ ایک بڑے کاسے میں ترکاری ڈالی

جاتی تھی اور تمام ساتھی اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اکھٹے کھانا شروع فرماتے۔

سکرجۃ کی تحقیق :

یہ سکرجہ مضموم ہے تینوں حروف کے ساتھ بالضم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ساکن اس میں آتا ہے "فتحہ را" کے ساتھ اور ضم کے ساتھ بھی دونوں لغات موجود ہیں یہ بھی فارسی سے مشتق ہے۔ دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ اصل خوراک کے علاوہ آس پاس کی چھوٹی چھوٹی پلیٹوں میں دیگر خوار کیں ڈالی جاتی ہیں وہ جیسا کہ افغانی باشندوں عربوں وغیرہ کا یہ طریقہ ہے کہ چاول کے ساتھ چھوٹی چھوٹی پلیٹ' پیاز ٹماٹر اور سلادیں رکھی جاتی ہیں۔ اسے جوارشات اور قوابع کہتے ہیں یعنی چٹنیاں اور مربہ وغیرہ تو یہ چیزیں اشتہاء زیادہ کرتی ہیں ذائقہ اور مزہ بھی زیادہ کرتی ہیں۔

آپؐ کی زندگی بے تکلف تھی :

حضور کریم ﷺ یہ تکلفات نہیں فرماتے تھے' اور اتنا کچھ ہوتا بھی نہیں تھا' حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھانے میں دو خوراک جمع نہیں فرمائی۔ دو قسم کا سالن ایک وقت میں دستر خوان پر موجود نہ ہوتا تھا کبھی تو ایسا زمانہ بھی آیا کہ دو دو مہینوں تک گھر میں آگ تک نہ جلتی تھی اور جب کبھی ایک کھانا پک جاتا تو صرف ایک ترکاری ہوا کرتی تھی۔ اور ایک ترکاری کے لئے ایک ہی برتن ہوتا ہے۔ اور سکرجہ تو تب لایا جاتا ہے کہ مختلف انواع کی چیزیں جیسا کہ چٹنیاں مربہ اور اچار وغیرہ ہو اب بھی پشتو میں بہت سارے الفاظ ایسے ملتے ہیں تو یہ بھی فارسی سے عربی میں چلا گیا اور میرے خیال میں پشتو کا لفظ شکور بھی اس سے ملتا جلتا لگتا ہے جس میں روٹیاں چنی جاتی ہیں۔

ولا خبز له مرقق تو حضور اقدسؐ کیلئے نہیں پکتی تھی یہ چھوٹی چھوٹی نرم روٹی' رقیق رزق رقاق نرمی کے لئے بولا جاتا ہے تو وہ جب بالکل آٹا میدہ بن جائے اور چھانا جائے اور ہر قسم کا بھوسہ اس سے نکالا جائے تو اسے ہم میدہ آٹا کہتے ہیں اور ایسے جو بھوسے وغیرہ کے ساتھ ہو تو اس سے موٹی روٹی پکتی ہے۔ حضور کریمؐ کے زمانے میں یہ تکلفات بھی نہ تھے اس لئے کہ ایک طرف تو یہ اکثار اکل ہے یہ اچار یہ چٹنیاں یہ پیاز اور یہ باریک روٹیاں جب آدمی کے سامنے رکھی جاتی ہیں تو آدمی سمجھ نہیں پاتا اور بہت زیادہ کھالیتا ہے تو جو صورتیں اکثار اکل کا ذریعہ بنتی ہیں تو انجام اس کا نقصان دہ ہوتا ہے۔ تو آپؐ کیسے چنا ہوا آٹا پکاتے تھے اسلئے کہ لم یکن لھم غرابیل۔ غرابیل' چھاننے کے آلے کو کہا جاتا ہے تو غلبیل اب میری زبان پر آیا تو غلبیل بھی پشتو کا لفظ غربیل سے نکلتا ہوا لگتا ہے غربیل سے غلبیل بنا۔ پشتو عربی کے بہت قریب ہے تو یہ اسے نہیں کہتے اور غلبیل میں نے کسی اور زبان میں نہیں سنا ہے۔ اکثر حضور کریمؐ کے لئے جَو کا آٹا پکتا تھا۔ مرققات رسول کریم ﷺ کیلئے نہیں پکتے تھے

حضرت یونسؒ، حضرت قتادہؒ کے شاگرد تھے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ کو کہا علی ماکانوا یاکلون حرف جار جب ما پر داخل ہو جائے تو بغیر الف کے بولا جاتا ہے اور الف کے ساتھ بھی روایت آئی ہے علی ماکان یشتمنی لیئم شرح جامی میں ہے۔ تو یہ تابعین حضرات پھر تپائیوں پر کھانا کھاتے ہوں گے۔ اس زمانے میں یہ طریقہ رائج ہوا ہوگا۔ تابعینؒ کے دور میں یہ پلیٹیں اور تکلفات وغیرہ رائج ہو چکے ہوں گے تو پوچھا گیا کہ پھر وہ بعد میں خوراک آخر کس طرح کھاتے تھے۔

قال علی هذا السفر۔ دستر خوان پھر بعد میں تیار ہوئے اب تو پلاسٹک اور کپڑے دونوں قسم کے دستر خوان کو سفرہ کہتے ہیں۔ تو اس زمانے میں صرف کھال کے دستر خوان کو سفرہ کہا جاتا تھا۔ لمبی لمبی کھالیں خشک کی جاتیں انہیں سفرہ کہا جاتا ہے۔ یہ کس سے نکلا ہے تو سفرہ سفر سے نکلا ہے۔

مسافر جب سفر پر جاتے تو ایک بیگ جیسی چیز ساتھ ہوتی۔ جس میں سفر کا سامان اور زادراہ موجود ہوتا تھا۔ مایتخذه المسافر تزاد السفر۔ اب بھی بعض علاقوں میں لوگوں کے ساتھ کھالوں کی اس طرح کی چیز تھیلا جیسی ہوتی ہے اگر اطلاق اب عام ہے سفر کی بات اب چلی گئی اب مطلقاً دستر خوان کو بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے طلبہ میں تھوڑا تھوڑا کھانا لوگوں سے جمع کرتے اور ایک چھوٹی سی چٹائی نیچے ڈالتے۔ اکثرا امام صاحب کا مصلیٰ بچھا دیتے اور مصلیٰ اکثر اوقات بالکل زرد ہو جاتا۔

اکوڑہ والوں کا ابتدائی تعاون :

ابتدا میں اکوڑہ خٹک کے لوگوں نے طلباً کے ساتھ بہت زیادہ تعاون کیا تھا اکوڑہ خٹک کے باسیوں نے حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے ساتھ محبت اور تعاون کیا ہے دس دس 'بیس بیس' طلباً ہر مسجد میں موجود ہوتے تھے اور تین چار سو طلباً ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں لوگوں کی دلچسپی طلبہ سے کم ہو گئی کہ وہ مسجد کے رہن سہن کے آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ سال کے آخر میں مولانا صاحبؒ سے شکایتیں کرتے تھے اور مسجد کا مصلیٰ لاتے تھے۔ اور اسے ایک کیل کے سہارے لٹکاتے اور اس میں روٹیاں تمام کی تمام ڈال دیا کرتے تھے۔ تو ان عادات پر لوگ شکایت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم مسجد میں طالبان کو نہیں چھوڑتے مولانا صاحبؒ ان سے منت سماجت فرماتے اور لوگوں کو سمجھاتے اور روزانہ طلباً کو بھی طرح طرح کی نصیحتیں فرماتے۔ عصر کی نماز دارالعلوم میں حضرت مولانا صاحب خود پڑھاتے تھے۔ اور پھر طلباً کو نصیحتیں فرماتے اصل مرکز تو وہ مسجد قدیم تھی۔ دس' پندرہ منٹ نماز کے بعد پوری تربیتی باتیں ہوتی تھیں۔ بہر حال اسے سفرہ کہا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ تکلفات نہ ہوا کرتی تھیں ایک گول لمبا دستر خوان ہوا کرتا تھا اور اس پر تمام کے تمام حضرات تشریف رکھتے تھے روٹی رکھی جاتی تھی اور ایک بڑا پیالہ آتا۔

اکابرین کی سادگی اور اتباع سنت :

یہ طریقے ہمارے اکابرین حضرات کی زندگی میں ہو تا ہم سب کے شیخ الشیخ حضرت مولانا حسین احمد مدنی ہر معاملہ میں احیا سنت کی انتہائی کوشش فرمانے میں انتہاء تک پہنچ چکے تھے کوئی بھی عنوان طریقہ نہیں چھوڑتے۔ اس زمانے میں آپ بر صغیر کے بہت بڑے لیڈر 'سیاستدان 'بڑے مجاہد اور اعلیٰ درجے کے مدرس' عالم دین تھے تمام خوبیاں آپ میں جمع تھیں دنیا کے بڑے بڑے لوگ آپ کے دستر خوان پر آتے' وزرا بھی ہوتے تھے حتی کہ ہندو اور سکھ بھی آتے اور ان کی عظمت اخلاق ہی تھی کہ آپ ان سے کراہت محسوس نہیں کرتے تھے ایسے بھی حالات سامنے آئے کہ ریل گاڑی میں بیٹھے ہیں عام درجے کے ڈبے میں سفر کرتے ہیں۔ گاڑی میں سکھ بھی ہیں اور ہندو بھی۔ ایک ہندو ساتھ میں بیٹھے تھے کھڑے ہو گئے 'لیٹرین گئے تو فوراً واپس آئے اور ناک بھوں چڑھائی' دوبارہ آئے اور بیٹھ گئے تو حضرت مدنی صاحبؒ سمجھ گئے کہ ضرور کچھ ہے لہذا آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور لیٹرین کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ غلاظت سے بھرا پڑا ہے تو حضرت مدنی صاحب سمجھ گئے۔ سگریٹ کی ڈبیاں جمع کیں اور ان پر پانی بہایا اور بہت مشکل سے اور تکلیف کے ساتھ اس لیٹرین کو صاف کیا۔

یہ تمہارے اکابرین حضرات رحمہم اللہ اجمعین کے حالات ہیں۔ انسانیت بدرجہ اتم ان میں موجود تھی پھر اسی آدمی کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ کیا آپکو اندر کچھ تکلیف محسوس ہوئی تو اس نے کہا کہ لیٹرین گندی ہے تو حضرت مدنیؒ نے اس سے کہا کہ نہیں وہ تو اندر سے صاف ہے۔ بہر حال ان کے دستر خوان پر تمام مذاہب کے لوگ جمع ہوتے تھے ان کے اخلاق عظیم تھے۔ ایک بڑا دستر خوان جو اتباع سنت میں کھال کا تھا بچھایا گیا ہوتا اور ہر قسم کے لوگ اس سے سیر ہوتے۔ اور وہاں ایک دستر خوان پر خوراک کھاتے تقریباً سوا ایک سو بیس آدمی اس دستر خوان پر مہمان بن کر جمع ہوتے تھے دیوبند میں ان کے مطعم پر بالکل اسی طرح کا طریقہ رائج تھا اور بڑے بڑے پیالے لائے جاتے اور اس میں تمام کے تمام شریک ہوتے اور تمام ایک جگہ پر خوارک کھاتے۔

جب ایک آدمی اگر تھوڑا سا گنہگار ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ کیسا بندہ ہے داڑھی منڈھائی ہے۔ لڑکو! اسے پرے ہٹاؤ یہ خبیث ہے اپنے سے اس کو ہم الگ تھلگ کر لیتے ہیں۔ یہ اسلام اور مذہب کا وطیرہ نہیں اور نہ ہی اخلاق عظیم ہے اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا انداز ہے حضور کریم ﷺ نے تو عیسائیوں کے بھی ہاتھ دھلوائے ہیں جب وہ مسجد میں آتے۔ لہذا تم بھی اتباع سنت میں اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلو اور کھانا پینا' رہن سہن سب کچھ آپ ﷺ کے طریقے پر کرو۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی *

اکیسویں صدی کا جہاد قرآن حکیم کے ذریعہ

آج دنیا میں ہر طرف سماجی اور تہذیبی برائیوں' لسانی اور قومی جھگڑے فسادات اور تمدنی وسیاسی فتنوں کا دور دورہ نظر آرہا ہے اور ان ساری خرابیوں اور فتنہ انگیزیوں نے مل کر عالم انسانی کا چین وسکون غارت کر دیا ہے۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اب بڑی طاقتوں کی جہانگیری اور ان کے خطرناک فوجی وسیاسی عزائم نے ساری دنیا کے امن وامان کو ایک سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے اس اعتبار سے آج پورا عالم انسانی بارود کے ایک ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لہذا اگر ان الحادی فتنوں کو ختم کرنے کی تدبیر نہ کی گئی تو پتہ نہیں کہ یہ دنیا کب بھک سے اڑ جائے۔

جہاد کے بارے میں بعض غلط فہمیاں :

لیکن سوال یہ ہے کہ ان فتنہ انگیزیوں کا مقابلہ کون کرے گا اور کس طرح کرے گا ؟ اس وقت دنیا میں ایسا کوئی مذہب یا نظام موجود نہیں ہے جو نظریاتی اور عملی میدانوں میں ان خطرناک رجحانات کا خاتمہ کر کے انسانیت کو امن وامان اور چین وسکون عطا کر سکتا ہو۔ ہاں البتہ اسلام ہی ایک واحد مذہب اور واحد نظام ہے جو ان تمام فتنوں کا استیصال اور معاشرتی و تمدنی ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے نوع انسانی کو راحت پہنچا سکتا ہے۔ اور الحاد و لادینیت کی جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر خدا پرستی کا احیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس مقصد کے لئے "جہاد" کی تجویز کی ہے۔ مگر آج خود مسلمان جہاد کی حقیقت واہمیت سے نابلد ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اسلام میں جہاد کی نوعیت کا مطالعہ کیا جائے تاکہ اس کی صحیح تصویر سامنے آسکے۔ اور جب اس کی اصل تصویر سامنے آئے گی تو ہر شخص اس کی ضرورت واہمیت کا قائل ہو جائے گا اور غلط فہمیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاد کے بارے میں غیر تو غیر خود اپنوں کے درمیان بھی بہت سے شبہات پائے جاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے دوری یا لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ تو محض جہاد کا نام ہی سن کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں اور اسکے نام ہی سے ایک مہیب اور ہیبت ناک شکل ذہن میں آتی ہے کیونکہ عمومی طور پر "جہاد" کو تلوار اٹھانے "اور" خون بہانے" کے مترادف تصور کر لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں مخالفین اسلام اور خاص کر مستشرقین نے اسلام کی تصویر بگاڑ کی پیش کی ہے اور مشہور کر دیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

* ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور۔ انڈیا

ہے۔ اسی بنا پر آج اسلام کو ایک ''جنگجو'' مذہب قرار دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا بے بنیاد پروپیگنڈہ اسلامی نظام حیات سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

اسلام میں جہاد کی حقیقت :

جہاد کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کی راہ میں جدو جہد کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ لفظ ''جہاد'' کے لغوی معنی ہیں : کسی چیز کی مدافعت میں اپنی وسعت و طاقت صرف کرنا'' (معجم الفاظ القرآن)

جہاد کے دو بازو ہیں : اس کا ایک بازو ہے اسلام کی پر امن تبلیغ اور دلیل واستدلال کے ذریعہ اسلامی نظام حیات کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلانا۔ اور اس کا دوسرا بازو ہے جب اسلامی معاشرے کو اندرونی یا بیرونی ''خطرات'' کا سامنا ہو تو دین کی مدافعت کی غرض سے فتنہ و فساد کی روک تھام بذریعہ قوت کرنا تاکہ اس کے نتیجے میں معاشرتی و تمدنی نقطہ نظر سے امن وامان قائم ہو۔ اس لحاظ سے جہاد کے دو مصداق ہوئے : ایک پر امن تبلیغ اور دوسرے فتنہ و فساد کی روک تھام یا ''مدافعانہ جنگ'' اور اہل اسلام کو حکم ہے کہ وہ جہاد کی پہلی شکل کو ہر حال میں جاری رکھیں، تاکہ دنیا اسلامی نظام حیات کی خوبیوں کا نظارہ کر کے اس کی آغوش میں آسکے یہی اصل جہاد ہے جو مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔

اس اعتبار سے جہاد کے اصل و مفہوم میں ہتھیار اٹھانا یا خون بہانا شامل نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ثانوی یا دوسرے نمبر پر ہے، جب کہ اسلام اور اہل اسلام کو خطرہ لاحق ہو جائے اور وہ بیرونی طاقتوں کے نرغے میں آجائیں۔ تب وہ اپنی مدافعت میں ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں اہل اسلام کو حکم ہے کہ اس حالت میں بھی وہ اپنے دشمن پر زیادتی نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

''تم اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر اس معاملے میں زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (بقرہ : ۱۹۰)

سماجی برائیوں کے خلاف جہاد :

فتنہ و فساد کی دو قسمیں ہیں (۱) سماجی فتنے یا اخلاقی برائیاں اور ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی وغیرہ (۲) سیاسی و فوجی خطرات جو بیرونی قوتوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث لاحق ہو سکتے ہوں۔ چنانچہ اندرونی و بیرونی دونوں قسم کے فتنوں کا سدباب کر کے اسلامی معاشرے کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جو قوم اخلاقی و سماجی برائیوں میں مبتلا ہو جائے وہ بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتی اور جب تک بیرونی قوتوں کا مقابلہ نہ کیا جائے اسلامی معاشرے کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ لہذا یہ دو طرفہ جنگ جیتنے کے لئے مسلم قوموں کو اندرونی برائیوں اور جھگڑوں کو بھی مٹا کر معاشرے میں ہر طرح سے امن وامان قائم کرنا ضروری ہے۔

اس لحاظ سے جہاد کا تعلق معاشرتی برائیوں اور باہمی ظلم وجور سے بھی بہت گہرا ہے اسی وجہ سے ایک حدیث میں سماجی برائیوں (منکرات) کو روکنا ہر مسلمان کا ایک قومی و شرعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم) اور جہاں پر اسلامی حکومت قائم ہو اس کے خصوصی فرائض میں "معروف" کی ترویج واشاعت اور "منکرات" کی روک تھام بھی ہے۔ (حج: ۴۱)

جہاد کے مقاصد :

یہ ہے جہاد کی حقیقت وماہیت۔ اب جہاں تک جہاد کے مقاصد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی توجیہہ اس طرح کی ہے: "جہاد دین کی نشر واشاعت اور کفر (کے چراغ) کو گل کر دینے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے" (فتح الباری: ۶ / ۵) علامہ ابن ہمامؒ نے مقصد جہاد کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے: جہاد دراصل اللہ کی بات کو اونچا کرنے کی غرض سے دنیا سے فتنہ و فساد کو دور کرنا ہے" (فتح القدیر: ۵ / ۷ ۱۱) اور اس سلسلے میں امام کاسانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ جہاد فرض قرار دینے کا مقصد اسلام کی دعوت، دین حق کا غلبہ کافروں کے شر سے بچاؤ اور انہیں مغلوب کرنا ہے (بدائع الصنائع: ۷ / ۹۷)

اس لحاظ سے جہاد کسی قوم یا ملک کے خلاف کوئی "جارحانہ" کاروائی یا بلاوجہ "خون ریزی" کرنا نہیں، بلکہ "معروف" کی اشاعت اور "منکرات" کی روک تھام کر کے مخلوق خدا کو راحت پہنچانا ہے۔ کیونکہ پوری دنیا اللہ کا کنبہ ہے جسے شر و فساد سے پاک کرنا ضروری ہے اور اس اعتبار سے جہاد کا "نشانہ" اقوام یا افراد نہیں بلکہ کفر والحاد" اور ان کی فتنہ انگیزیاں ہیں جو اقوام عالم کے عادات واطوار بگاڑ کر انہیں نرا حیوان بنا دینا چاہتی ہیں اور ان بے خدا نظاموں نے آج پوری دنیا کو ایک جہنم کدہ بنا کر رکھ دیا ہے لہٰذا ان فتنوں کے خلاف سینہ سپر ہو جانا موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

موجودہ دور کے یہ سماجی و تمدنی فتنے چونکہ الحاد لادینیت یا بے خدا تہذیب کا لازمی نتیجہ ہیں لہٰذا ان الحادی فتنوں کے خاتمے کے لئے سب سے پہلے فکری و نظریاتی حیثیت سے ان الحادی نظریات اور ان کے نظاموں پر تیشہ چلانا ضروری ہے ورنہ ان زور ٹوٹ نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ محض ڈالیوں کو چھانٹ دینے سے دوبارہ شاخیں پھوٹ سکتی ہیں۔ لہٰذا ان نظاموں کی جڑوں کی اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ اور اس مقصد کیلئے عقلی دلائل کی بنیاد پر ایک جوابی فلسفہ تیار کر کے ان الحادی نظاموں کا خاتمہ کرنا اور علمی میدان میں انہیں شکست دینا ضروری ہے۔

مسلمان جہاد کس طرح کریں :

موجودہ الحاد و لادینیت اور بے خدا تہذیبی فتنوں کے خلاف جہاد کس طرح کیا جائے ؟ اور مختلف

قوموں کے جبر واستحصال اور ظلم وجور کا مقابلہ کیسے ہو؟ تو یہ بہت اہم سوالات ہیں اور ان کا جواب بھی قرآن اور حدیث کے ابدی احکام میں موجود ہے۔ چنانچہ اس راہ میں کام کرنے کی دو نوعیتیں ہیں :
پہلی یہ کہ سماجی اور تمدنی برائیوں کا استیصال اور دوسرے فکر و فلسفہ یا عقائد کی دنیا میں شر و فساد کا خاتمہ' تاکہ ''پورا دین اللہ کا ہو جائے''۔

اس لحاظ سے جہاد تک سماجی برائیوں اور تمدنی رخنوں کا تعلق ہے تو ایک مشہور حدیث ہے کہ تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے اس کی مذمت کرے۔ یہ خطاب افراد امت سے بھی ہے اور مسلم حکومتوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان دو زرین اصولوں کے مطابق کسی برائی کو روکنے کے لئے پہلے نمبر پر ''قوت'' کی ضرورت ہے اگر مسلمان اتنی قوت رکھتے ہوں تو وہ ایسا ضرور کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر زبان یا قلم کے ذریعہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی واخلاقی اقدار کی بحالی کے لئے علم جہاد بلند کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آج لٹریچر اور میڈیا کا زمانہ ہے' اس لئے اس میدان میں آج مسلمانوں کو ''لٹریری جہاد'' کی تیاری کرنی چاہیے۔ اور یہ مسلمانوں کا ایک دینی و شرعی فریضہ ہے جسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنی ہدایت اور اس کے دلائل :

اب جہاں تک فکری واعتقادی شر و فساد کو ختم کرنے کا تعلق ہے تو وہ پر امن تبلیغ کے ذریعہ اسلامی نظام حیات برپا کرنا اور اللہ کے احکام کو بندوں پر نافذ کرنا ہے۔ اور اس راہ میں کسی پر ظلم وزیادتی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :''دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے'' (بقرہ ۲: ۲۵۶)

یہ دعوتی جہاد ہے جسے حدیث نبوی میں ''قولی جہاد'' کہا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل آگے آرہی ہے یہ دعوتی یا قولی جہاد چونکہ اسلام کا دائرہ بڑھانے کی غرض سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ کفر والحاد کا خاتمہ ہو سکے' اس لئے اس کا انداز نوع انسانی کو متاثر کرنے والا ہونا چاہیے۔ کیونکہ پوری نوع انسانی اسلام کی نظر میں ''امت دعوت'' ہے اور مسلمان شرعاً پوری نوع انسانی کے لئے داعی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اسلام کا پیغام بھی دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے :''کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (اعراف ۷: ۱۵۸)

اس لحاظ سے نوع انسانی کو اسلام کی خوبیوں' اس کے عقلی محاسن اور اس کے علمی دلائل کے ذریعہ متاثر کرنا ہے' کیونکہ مجرد وعظ و نصیحت موجودہ دور کے لئے کارگر نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم کو ہر قسم کے علمی و عقلی دلائل سے مزین کر دیا گیا ہے تاکہ وہ نوع انسانی کی ہدایت ور ہنمائی کا باعث بن سکے۔ جیسا کہ اللہ

کا فرمان ہے : "یہ قرآن (دنیا کے) تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اس میں ہدایت کے واضح دلائل موجود ہیں اور وہ حق وباطل میں تمیز کرنے والا ہے -(بقرہ : ۱۸۵)

اس آیت کریمہ کی رو سے قرآن کی اصل ہدایت اس کے علمی دلائل وبراہین ہیں جو نوع انسانی کو راہ راست پر لانے کی غرض سے ہیں۔ لہذا ان دلائل کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ دلائل ہیں جو حق وباطل میں تمیز کرتے ہوئے دنیائے انسانیت کو نئی روشنی دکھانے والے ہیں۔ لہذا ان دلائل کو منظر عام پر لانا اور عالم انسانی کے لئے ہدایت کا سامان بہم پہنچانا حاملین قرآن کی ذمہ داری ہے۔

سب سے بڑا جہاد قرآن کے ذریعہ :

بہر حال حاملین قرآن کو کتاب الہی میں مذکور انہی تمام علمی و عقلی دلائل کے ذریعہ اسلام کی دعوت دینے کی تاکید کی گئی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ خالق عالم ہونے کی حیثیت سے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی "عقلیت "اور ذہنیت" سے بخوبی واقف ہے 'اس لئے اس نے اپنی کتاب حکمت میں ہر دور کی "ضرورت" کے مطابق ہر قسم کے دلائل وبراہین رکھ دیے ہیں جن کے ذریعہ عالم انسانی کے غلط افکار ونظریات اور اس کے بے بنیاد فلسفوں کا توڑ ہو سکتا ہو اب یہ حاملین قرآن یا علمائے اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صحیفہ حکمت میں غور وخوض کر کے ہر دور کی ذہنیت کے مطابق ان دلائل کو منظر عام پر لائیں اور یہ حاملین قرآن کے ذمہ ایک شرعی فریضہ ہے اور اسی طریقہ دعوت کو قرآن عظیم میں "بڑا جہاد" کہا گیا ہے' جیسا کہ ارشاد الہی ہے :

اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (لیکن ہم نے ایسا کرنے کی بجائے ایک جامع کتاب بھیج دی ہے جو تمام بستیوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے) لہذا تو منکرین خدا کی بات مت مان' بلکہ قرآن کے ذریعہ بہت بڑا جہاد کر" (فرقان : ۵۲-۵۳)

جس سورہ میں یہ آیات مذکور ہیں اس کا نام ہی "فرقان" ہے یعنی حق وباطل میں تمیز کرنے والی کتاب۔ اور سورہ کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے : "بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر فرقان (حق وباطل میں تمیز کرنے والی کتاب) نازل کر دی' تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے" (فرقان :۱)

ان آیات کے ذریعہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن عظیم ایک عالمگیر صحیفہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کو بیدار کرنے کی غرض سے نازل کیا گیا ہے اسی بنا پر اس میں ہر دور کے لحاظ سے دلائل ہدایت یا دلائل ربوبیت مذکور ہیں انہی دلائل کے ذریعہ عالم انسانی راہ راست پر آسکتا ہے۔ لہذا ان خدائی دلائل کو اجاگر کر کے عالم انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا سامان فراہم کرنا خود قرآن عظیم کی تصریح کے مطابق بہت بڑا جہاد یا سب سے بڑا جہاد ہے۔ اور یہ فریضہ رسول اکرم ﷺ کے توسط سے دنیا کے تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔

ان تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ قرآن عظیم کیا ہے اور کس پایہ کی کتاب ہے مگر اس کے باوجود اگر ہم نے اس صحیفہ حکمت میں غور و فکر کر کے نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کرنا چھوڑ دیا ہے تو اس میں قصور کس کا ہے ؟ قرآں عظیم تو سارے جہاں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے مگر حاملین قرآن اسے محض "کتاب تلاوت" سمجھ کر بے سوچ سمجھے اسے رٹنے اور اس کے "فضائل" بیان کرنے ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ طرز عمل نہ صرف کتاب الہی پر زیادتی ہے بلکہ اس طرز عمل کے ذریعہ نوع انسانی کی گمراہیوں میں مزید اضافہ کرنا بھی ہے اور اس کے ذمہ دار خود مسلمان ہیں۔

قرآنی دلائل اور الحادی فلسفے

اب جہاں تک قرآنی دلائل کی نوعیت کا تعلق ہے تو وہ ہر دور کی "ذہنیت" اور اس کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہی اس کتاب حکمت کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔ مگر قرآن کا سطحی علم رکھنے والوں کو اسی میں اشکال پیش آتا ہے اور وہ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب الہی کے کمال کو سمجھنے سے عاجز ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے علمأ کو پیدا کرتا رہا ہے جو نئے ادوار کے تقاضوں کے مطابق اس کی نئی نئی تفسیریں کرتے رہے ہیں جیسا کہ ہمارا ذخیرہ تفسیر اس کا شاہد ہے۔

غرض آج سائنسی علوم اور جدید فلسفوں کا دور ہے اور فکری و نظریاتی اعتبار سے یہ علوم آج نوع انسانی کے اذہان پر چھائے ہوئے ہیں جن کی بنیاد الحاد و لادینیت پر ہے اس اعتبار سے آج الحاد و لادینیت کے جراثیم کو ان علوم سے نکال باہر کرنا وقت کا سب سے بڑا جہاد ہے اور یہ جہاد آج قرآن عظیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور یہ علمی و استدلالی جہاد ہے جس کا خاکہ و نقشہ اس کتاب عظیم میں مذکور ہے۔

مگر اس سلسلے میں کتاب الہی کا کمال اور اس کا زبردست اعجاز یہ ہے کہ قرآن حکیم میں مذکور اس کے لبدی حقائق اور آفاقی دلائل آج خود مادہ پرست اپنی تحقیقات اور اپنے ہی اکتشافات کے ذریعہ منظر عام پر لا رہے ہیں۔ گویا کہ وہ خود ہی کتاب الہی کے اعجاز کو نمایاں کرتے ہوئے اپنے ہی نظریات اور فلسفوں کی تردید کر رہے ہیں اور یہ خلاق عالم کی بہت بڑی حکمت و منصوبہ بندی ہے بہر حال ان خدائی حقائق و معارف کے ذریعہ جہاں ایک طرف قرآن عظیم کا علمی تفوق اور اس کی برتری ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف مادہ پرستانہ نظریات اور الحادی فلسفوں کا خاتمہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔

اللہ کی نشانیوں کا علم :

نظام کائنات کے یہ وہ حقائق ہیں جن کو خالق کائنات نے ایک منصوبہ بند عمل کے ذریعہ اپنی کتاب حکمت میں پہلے ہی سے درج کر رکھا ہے۔ اور جب تحقیقات جدیدہ کے تحت کوئی نئی علمی حقیقت منکشف ہوتی

ہے تو اس کے ذریعہ قرآنی حقائق کی تصدیق و تائید ہوتی ہے اس اعتبار سے خود تحقیقات جدیدہ کی رو سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ایسی علیم و خبیر اور ازلی ہستی ضرور موجود ہے جو اس کائنات کے تمام "بھیدوں" سے واقف ہے، یہی خدا ہے۔ اس لحاظ سے آج سائنٹفک نقطہ نظر سے خداوند قدوس کا وجود ثابت ہو رہا ہے۔

قرآن عظیم کے یہ وہ ابدی حقائق ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں "آیات" یا "خدا کی نشانیاں" یا دلائل ربوبیت کہا گیا ہے اور ان آفاقی دلائل کے ذریعہ آج خدائے عزوجل کا وجود ہی نہیں بلکہ اس کی خلاقیت، ربوبیت، بے مثال قدرت اور ہمہ دانی وغیرہ تمام صفات ازلی کا ثبوت علمی و سائنٹفک طریقے سے بخوبی منظر عام پر آرہا ہے، جو نوع انسانی کو متاثر ہی نہیں بلکہ مبہوت و ششدر بھی کر سکتا ہے اور اس نئے علم کو ہم "آیاتی علم" یا خدا کی نشانیوں کا علم" بھی کہہ سکتے ہیں، اور یہ علم پوری نوع انسانی کیلئے حجت بن سکتا ہے۔ اسلئے ارشاد باری ہے :

"ہم ان منکرین کو اپنی نشانیاں (دلائل ربوبیت) دکھا کے رہیں گے، انکے چاروں طرف اور خود ان کی اپنی ہستیوں (جسمانی نظاموں) میں بھی، تا آنکہ ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ یہ کتاب برحق ہے" (حم سجدہ : ۵۳)

لہذا آج مسلمانوں پر یہ فریضہ شرعاً عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کے اس علم کے ذریعہ موجودہ دور کے سب سے بڑے جہاد کیلئے تیار ہو جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی علمی حقائق و معارف سے لبریز ایک انوکھا اور حیرت انگیز صحیفہ ہے۔ اور اس بنا پر وہ آج بھی تر و تازہ اور پوری نوع انسانی کے لئے راہ ہدایت ہے اور اس بنا پر آج مادیت کی ماری ہوئی انسانیت کو اس کی سخت ضرورت ہے۔

اس بحث سے یہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ اسلام ایک خالص عقلی اور سائنٹفک مذہب ہے جو دلیل کی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے لوگوں کو غور و فکر کرنے اور اپنے رویہ کو سوچ بچار کے ذریعہ بدلنے کی دعوت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ زور زبردستی کا قائل نہیں بلکہ اس کا سخت مخالف ہے کیونکہ دلیل و استدلال اور زور زبردستی دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم متعارض ہیں اور یہ طریقہء دعوت مذہب میں ایک انوکھی اور نرالی چیز ہے۔ تاکہ اسلام کی ترقی خالص فطری اور عقلی بنیاد پر عمل میں آسکے۔

آغاز اسلام کا جہاد :

اوپر جہاد کی دو قسموں پر روشنی ڈالی گئی ہے : اول یہ کہ دنیا سے اخلاقی و سماجی برائیوں اور تہذیبی و تمدنی شر و فساد کا استیصال کرنا اور دوم یہ کہ اسلامی اقدار حیات کی ترویج و اشاعت کرنا ان دو قسم کے جہادوں سے دنیا میں فکری و اعتقادی اور معاشرتی و تمدنی نقطہ نظر سے عالم انسانی کو نہ صرف دنیا میں امن و امان اور چین و سکون حاصل

ہو سکتا ہے بلکہ وہ اسلام کی آغوش میں آکر آخرت کی زندگی میں بھی نجات حاصل کر سکتا ہے' جو دلائل و براہین کی رو سے ایک یقینی چیز ہے اسی وجہ سے اسلام انسان کے سامنے خدائی نظام حیات کا ایک پورا اور جامع فلسفہ پیش کرتا ہے غرض اسلام چونکہ دنیا کے تمام انسانوں کو راہ نجات دکھانے کا دعویدار ہے اس لئے وہ ہر ممکن طریقے سے انہیں صراط مستقیم یا خدا کے راستے پر گامزن کرنا چاہتا ہے۔ اسی غرض سے اس نے جہاد کا حکم دیا ہے آغاز اسلام میں جو جنگیں ہوئیں وہ اسی فکر و فلسفے کے تحت ظہور پذیر ہوئی تھیں جو اس دور کیلئے ایک موزوں طریقہ کار تھا کیونکہ اس دور میں لٹریچر اور میڈیا (ذرائع ابلاغ) کا رواج نہیں تھا۔ لہذا دور قدیم میں اقوام عالم کو اسلامی نظام حیات اور اس کی برکتوں سے روشناس کرانے اور دنیا سے ظلم و عدوان کو مٹانے کا وہی ایک واحد طریقہ تھا جسے آغاز اسلام میں اپنایا گیا چنانچہ اس دور میں اسلام جن جن ممالک میں بھی داخل ہوا وہاں کی رعایا اسے دل سے چاہنے لگی اور اکثر مقامات پر تو اس نے اپنی حکومتوں کے خلاف اہل اسلام کا ساتھ دیا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اس موقع پر زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام میں جہاد کی قسمیں :

جہاد کی کامیابی کے لئے چونکہ مال کی بھی ضرورت پڑتی ہے' خواہ وہ فتنہ و فساد کو مٹانے کے سلسلے میں ہتھیار کے ذریعہ ہو یا اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے اسلامی لٹریچر پھیلانے کی غرض سے۔ اس لئے اسلام نے اس راہ میں مال داروں کو بھی اس جہاد میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے اور انہیں مال خرچ کرنے پر ابھارتے ہوئے اس عمل کو بھی جہاد قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی قسم کا جہاد کامیاب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن میں مذکور ہے :

"اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت سے آگاہ کروں جو تم کو (آنے والے) دردناک عذاب سے نجات دے سکتی ہو ؟" (تو وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ذریعہ جہاد کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے' اگر تم (اس حقیقت کو) جان سکو" (صف : ۱۰۔۱۱)

اور ایک حدیث میں مذکور ہے کہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو تم مشرکین سے اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو" (ابوداؤد' نسائی' دارمی' مسند احمد)

اس اعتبار سے جہاد کی تین قسمیں ہو گئیں : مالی جہاد' بدنی جہاد اور قولی جہاد' مگر جہاد کی اصل قسمیں صرف دو ہی ہیں :

۱۔ بدنی جہاد جو شر و فساد کو دور کرنے کے لئے ہاتھ یا ہتھیار کے ذریعہ کیا جائے' جب کہ اس کی ضرورت پڑ جائے اسے عسکری جہاد بھی کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ قولی جہاد جو زبان سے کیا جائے اور یہ پر امن تبلیغ کا نام ہے، جو جہاد کی اصل روح کے مطابق ہے اس لئے اصل جہاد یہی ہے جو دعوت اسلامی کا دوسرا نام ہے اور اس کے لئے وہ تمام ذرائع استعمال کئے جا سکتے ہیں جو اس کی کامیابی کے لئے ممکن ہو سکتے ہوں۔ آغاز اسلام میں لٹریچر یا کتب و رسائل کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے زبان کے ذریعہ تبلیغ کرنا ہی دعوت اسلام کا واحد ذریعہ تھا۔ مگر آج کل چونکہ نشر و اشاعت کے طور طریقے بدل گئے ہیں اس لئے اب اسلام کی دعوت کیلئے کتابوں یا لٹریچر وغیرہ پر زیادہ انحصار ہو گیا ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حدیث نبوی میں قولی جہاد کی جو بات کہی گئی ہے وہ اصل ہے قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کی، جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے چنانچہ "جہاد قولی" کی اس تائید میں ایک مزید حدیث اس طرح آئی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا جہاد جابر بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کرنا ہے" (ترمذی)

اس لحاظ سے "جہاد بالقول" پر قرآن اور حدیث دونوں متفق اللفظ ہیں۔ اس کو ہم موجودہ دور کے تقاضے کے مطابق علمی و قلمی، جہاد بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ آج یہ اشاعت علم کا ایک موثر ترین ذریعہ بن گیا ہے۔

علمی جہاد کی فضیلت و اہمیت:

غرض لفظ "جہاد" وسیع معنی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا استعمال زیادہ تر "دعوت اسلامی" پر ہوتا ہے چنانچہ اس کی ایک تعریف اس طرح کی گئی ہے: "قرآن میں لفظ جہاد کا اکثر استعمال دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت اور اس کے دفاع میں بھرپور کوشش کرنے کیلئے ہوا ہے۔ واکثر ماورد الجهاد فی القرآن ورد مرادا به بذل الوسع فی نشر الدعوة الاسلامية والدفاع عنها (معجم الفاظ القرآن: ۲۲۶/۱ مطبوعہ مصر)
اور اس کی ایک دوسری تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے "جہاد کافروں سے لڑنے کا نام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قول یا فعل کے ذریعہ اس راہ میں پوری طاقت صرف کی جائے" (النہایۃ فی غریب الحدیث، ۱/۳۱۹)

اس تعریف میں "قول" کی جو بات کہی گئی ہے وہ قولی یا علمی جہاد کا نام ہے۔ اور "فعل" کی جو بات کہی گئی ہے وہ بدنی یا ہتھیار کے ذریعہ جہاد کرنا ہے اور یہ دوسرے قسم کا جہاد زیادہ تر دفاعی ضروریات کے لئے ہوتا ہے، جب کہ اسلامی معاشرہ یا دعوت اسلامی کو خطرہ پیدا ہو جائے اور اس قسم کا جہاد چونکہ کبھی کبھار ہی ہو سکتا ہے اس لئے قولی یا دعوتی یا علمی جہاد ہمیشہ جاری رہنا چاہیے اس لحاظ سے دین میں دعوتی جہاد کی بڑی اہمیت ہے اسی لئے بعض علماء نے علمی جہاد کو بدنی جہاد سے افضل قرار دیا ہے، جیسا کہ امام جصاص رازیؒ نے صراحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ علمی جہاد اصل ہے اور بدنی جہاد اس کی ایک فرع ہے۔ اس اعتبار سے علمی جہاد افضل و اعلیٰ ہے (دیکھئے احکام القرآن: ۳/۱۱۹)

جہاد ایک دائمی فریضہ :

واضح رہے کہ جہاد شرعی حیثیت سے ایک دائمی فریضہ ہے جسے بغیر کسی انقطاع یا تعطل کے قیامت تک ہمیشہ جاری رہنا چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر مذکور جہاد کی دو شکلوں جہاد بدنی (عسکری جہاد) اور جہاد قولی (علمی و قلمی جہاد) میں سے کسی ایک کو مسلمان اپنے دور کے تقاضے کے مطابق ہمیشہ ادا کرتے رہیں چنانچہ ایک حدیث کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

"جہاد اس وقت سے (برابر) جاری ہے جب سے کہ اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے' یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے جنگ نہ کرلے" (ابو داؤد : ۳ / ۴۰)

چنانچہ تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاد بمعنی جنگ و جدل یعنی جہاد عسکری مکی دور میں فرض نہیں تھا۔ بلکہ وہ مدنی دور میں فرض ہوا اور مکی دور میں جو جہاد فرض تھا وہ جہاد کی پہلی شکل یعنی قولی یا "دعوتی جہاد" تھا جو پرامن تبلیغ کا نام ہے کیونکہ مکی دور میں مسلمان مغلوب تھے اور اس بنا پر وہ جہاد کی دوسری شکل (عسکری جہاد) پر عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے لہذا ہر دور کے مسلمانوں کے لئے یہ دو نمونے ہیں کہ وہ ہر دور کے احوال و کوائف کے مطابق جو جہاد وقت کے لحاظ سے مناسب ہو اس پر عمل کر کے اپنا شرعی فریضہ ادا کرتے رہیں۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کو جہاد سے منہ موڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے' خواہ وہ کتنی ہی بے سر و سامانی کے عالم میں ہوں ان کیلئے ضروری ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے وسائل کے مطابق اس فریضے کو انجام دیتے ہیں کسی بھی حال میں انہیں مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی راہ میں کام کرنے والوں کے لئے اپنے راستے کھول دے گا۔ "جن لوگوں نے ہمارے راستے میں جہاد کیا تو ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیں گے۔ اللہ یقیناً صحیح طریقے سے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے" (عنکبوت، ۶۹)

چنانچہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو کسی کے دباؤ میں آکر ہاتھ روک لینا یا گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ بے خوف و خطر ہو کر اپنی جد و جہد جاری رکھنا چاہیے۔ ورنہ اس راہ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مجاہدین کی تعریف میں ارشاد باری ہے :

"وہ ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے" (مائدہ، ۵۴)

لہذا موجودہ دور کے سب سے بڑے جہاد کو انجام دینے کے لئے آج تمام مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیے ورنہ اس راہ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

علمی جہاد کی یہ فضیلت واہمیت اس بنا پر ہے کیونکہ یہ دعوت اسلامی کا فطری وعقلی طریقہ ہے' جو بغیر کسی خون خرابے کے دلیل واستدلال کی بنیاد پر ظہور پذیر ہوتا ہے اسی بنا پر احادیث میں جہاد کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا عمل قرار دیا گیا ہے : چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے ؟ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اس پر پوچھا کہ پھر اس کے بعد کون سا عمل ہے ؟ فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری ۲/۴۱' مسلم ۱/۸۸)

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اسلام کی بلند چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے (مسند احمد : ۵/۲۳۵)

ایک اور موقع پر رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے"۔ (ایضاً ۵/۳۱۴)

جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ یا اللہ کی بات کو اونچا کرنا ہے' خواہ وہ علمی جہاد ہو یا عسکری جہاد۔

مالی جہاد کی اہمیت :

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصل جہاد قولی اور بدنی جہاد ہی ہے مگر چونکہ اس میں کوئی بھی جہاد بغیر مالی وسائل کے کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے اس راہ میں مال ودولت خرچ کرنے کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں "مالوں' کے ذریعہ جہاد کرنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ مثال کے طور پر فرمان الٰہی ہے :

" سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور (اس میں) کسی قسم کا شبہ نہ کیا پھر انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ (اپنے قول میں) سچے ہیں (حجرات : ۱۵)

مالی جہاد کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگر اس راہ حسب ضرورت خرچ نہ کیا گیا تو اس کی وجہ سے اہل اسلام پر تباہی آسکتی ہے اسی بنا پر ارشاد الٰہی ہے : اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (بلکہ اس راہ میں) حسن سلوک سے کام کرو' کیونکہ اللہ حسن سلوک سے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" (بقرہ : ۱۹۵)

ایک اور موقع پر خدا کا فرمان ہے :" ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس نے سات بالیاں اگائی ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے (اجر وثواب بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (بقرہ : ۲۶۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا شخص افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کرتا ہے (بخاری ۳ ؟۲۰۱)

ایک دوسری حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (مومن وہ ہے) جس نے اپنے نفس اور مال کے ذریعہ اللہ کے راستے میں جہاد کیا" (نسائی ۶/۱۱)

جہاد نہ کرنے والوں کا انجام :

اوپر مذکور حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تین طریقوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے : مالوں کے ذریعہ ' جسموں کے ذریعہ اور زبانوں کے ذریعہ۔ اس کو ہم مالی جہاد 'بدنی یا عسکری جہاد اور قولی یا علمی و قلمی جہاد کہہ سکتے ہیں۔ مالی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ مجاہدین یا اس راہ میں جدو جہد کرنے والوں کی مالی امداد و اعانت کی جائے ' خواہ وہ جہاد عسکری کیلئے ہو یا جہاد علمی کیلئے۔ اور اس طرح کی مالی امداد بھی جہاد کرنے ہی ' کے برابر ہے جہاد کے یہ تین میدان ہیں اور امت کے ہر فرد کو ان میں سے کسی ایک میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق شریک ہونا ضروری ہے ورنہ وہ شریعت مطہرہ کی رو سے ایک طرح کا منافق ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ :

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے نہ تو کوئی غزوہ (جہاد) کیا اور نہ اس کے دل میں ایسی کوئی بات پیدا ہوئی تو وہ نفاق کی ایک حالت میں مرا"۔ (مسلم 'ابو داؤد ' نسائی) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "جو شخص جہاد کا کوئی اثر لئے بغیر اللہ سے ملا تو وہ عیب دار ہو کر ملے گا" (ترمذی)

قرآن اور حدیث میں جہاد پر ابھارنے والے بے شمار احکام مذکور ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی زندگی اور عروج و زوال کا دارومدار جہاد اور صرف جہاد پر ہے جہاد ہی ہماری کامیابی کا ضامن اور ہمارے تمام ملی و اجتماعی دکھوں کا مداوا اور واحد حل ہے۔ آج ہماری ملت پر جو نحوست طاری ہے اس کا واحد سبب جہاد سے منہ موڑنے کا نتیجہ ہے۔ لہذا ملت کو پھر سے سرگرم عمل بنانے کیلئے اس میدان میں کودنا ضروری ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جہاد ملت اسلامیہ کے لئے سراپا زندگی اور سراپا حیات ہے جب کہ ترک جہاد اس کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ آج عالم اسلام میں جتنے بھی مفاسد اور رخنے پیدا ہو گئے ہیں وہ سب جہاد سے منہ موڑنے اور اس سے لاپرواہی برتنے کا نتیجہ ہیں۔ جہاد سے روگردانی اغیار کی غلامی کا باعث ہے۔ لہذا ملت کی تعمیر نو کے لئے ہمیں دوبارہ اس میدان میں آگے بڑھنا ضروری ہے اور یہ اکیسویں صدی کے چیلنج کا صحیح جواب ہوگا۔

موجودہ دور کی ذہنیت کا مقابلہ :

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی موجودہ تمام چیلنجوں کا واحد جواب ہے ان علوم میں ترقی کی بدولت مسلمانوں کو جہاں ایک طرف تمدنی ' عسکری اور سیاسی میدان میں غلبہ حاصل ہو سکتا ہے تو دوسری طرف دینی و شرعی نقطہ نظر سے بھی انہیں برتری مل سکتی ہے پہلا میدان عمائدین ملت کا یا امرائے قوم کا ہے تو دوسرا میدان علمائے اسلام کا۔ جہاں تک تمدنی و عسکری ترقی کا تعلق ہے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آج جو قوم سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے ہیں وہی ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی اسے غلبہ اور تفوق

حاصل رہے گا اور جہاں تک دین و شریعت کو غالب کرنے کا سوال ہے تو آج علمی و فکری اعتبار سے جو دین کمزور ہو وہ جدید نظریات اور جدید فلسفوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اگرچہ اسلام عقلی دلائل کے اعتبار سے دنیا کے تمام ادیان میں ممتاز ضرور ہے مگر اسے موجودہ فلسفوں کے مقابلے میں علمی و سائنسی نقطہ نظر سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ صرف اپنے دین کی "برتری" کے گیت گا دینے سے موجودہ "عقل پرست" انسان کے ذہن و دماغ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ کیونکہ آج نوع انسانی کے ذہن پر سائنسی علوم کی ہیبت چھائی ہوئی ہے اور ان علوم کو وہ انسانیت کا کمال اور اس کی معراج تصور کرتے ہوئے دین و شریعت کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ "علم" صرف وہی ہے جو "سائنسی طریقے" سے ثابت ہو جائے اس بنا پر وہ دین و شریعت کو ایک ڈھکوسلہ یا دقیانوسیت کی نشانی قرار دیتے ہوئے غرور اور تکبر میں مبتلا ہے۔

اس اعتبار سے یہ عصر جدید کا سب سے بڑا چیلنج ہے جو آج اسلام کو درپیش ہے اور اس چیلنج کا صحیح جواب یہ ہے کہ علمائے اسلام جدید علوم و مسائل میں مہارت حاصل کر کے علمی و استدلالی حیثیت سے مادی نظریات اور الحادی فلسفوں کا رد و ابطال کر کے عالم انسانی کو الحاد و لادینیت کے چنگل سے بچائیں۔ تاکہ اس کے نتیجے میں خدا پرستی کا بول بالا ہو یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے چنانچہ اس سلسلے میں اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو ضرور غالب کر کے رہے گا:

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے" (فتح: ۲۸)

دعوت دین نئے اسلوب میں:

چنانچہ اس آیت کریمہ کے مطابق اسلام کا علمی و استدلالی اور مادی و سیاسی دونوں میدانوں میں غلبہ و استیلا مطلوب ہے، جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے۔ علمی و استدلالی میدان میں غلبے کا مطلب یہ ہے کہ علمائے اسلام قرآن حقائق و معارف اور اس کے علمی دلائل و براہین کو جدید علوم کی روشنی میں آراستہ کر کے نوع انسانی کے موجودہ ذہن و مزاج کے مطابق پیش کریں اور اس کے لئے جدید اسلوب اپنائیں۔ آج اسلام کے محض "فضائل" بیان کرنے کا دور ختم ہو چکا ہے، جو عقل پرستوں کو اپیل نہیں کر سکتا۔ موجودہ دور "دلائل" اور وہ بھی سائنٹفک دلائل کا دور رہے۔ اسی بنا پر قرآن عظیم میں ہر دور کے احوال و کوائف سے نپٹنے کیلئے ہر قسم کے دلائل مذکور ہیں۔ لہذا اس کے باوجود اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو یہ ہماری محرومی ہی نہیں بلکہ عالم انسانی کی بدنصیبی بھی ہے۔ قرآن عظیم کا پیغام ہر دور اور ہر خطہ ارض کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: یہ سارے جہاں کے لئے ایک تذکرہ ہے" (ص: ۸۷)

کیا جدید علوم کی تحصیل واجب ہے؟

موجودہ دور چونکہ سائنسی دور کہلاتا ہے' اس لئے اگر یہ کتاب موجودہ دور کے احوال و مسائل سے نپٹنے میں خدانخواستہ ناکام ہو جائے تو پھر اس کی ابدیت و عالمگیریت پر حرف آسکتا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں بھی اس کا ہادی اور رہنما ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی علمی برتری اور اس کا اعجاز ہر دور میں ظاہر ہو سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن عظیم موجودہ دور کے احوال و مسائل سے بھرا ہوا ہے مگر یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے اس کتاب حکمت میں غور کرنا ترک کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ ہر دور کے انسان سے اس کے "علوم و مسائل" کی زبان میں گفتگو کی جائے' تاکہ وہ دلیل و استدلال کے میدان میں ہتھیار ڈال دے۔ دیکھئے اس کتاب حکمت میں کس انوکھے طریقے سے حاملین قرآن کو جدید علوم و مسائل سے آراستہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے:

"تو اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکیمانہ طریقے سے اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ ان سے بہترین طریقے سے مباحثہ کر"۔ (نحل: ۱۲۵)

مباحثہ کرنے کا مطلب ہے علمی گفتگو کرنا اور اس کے ذریعہ مخاطب یا مخالف دین کو متاثر کرنا۔ اور پھر اس میں "بہترین طریقے" سے مباحثہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ متکلم کو مخاطب سے بڑھ کر جدید سے جدید تر علوم میں دسترس حاصل رہنی چاہیے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بحث و مباحثے میں ہار جائے گا اس طرح حاملین قرآن کیلئے جدید علوم کی تحصیل واجب ہے اور اس میدان میں کم از کم اس صفت کی حامل ایک خصوصی جماعت کا وجود ضروری ہے' ورنہ پوری امت خرابی سے دوچار ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دین الٰہی کے اس تقاضے کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جس کا تعلق دین کے غلبے سے ہے۔ تو کیا آج ہم اللہ کے اس حکم کی پیروی کر رہے ہیں؟ اگر نہیں کر رہے ہیں تو اس میں قصور کس کا ہے اور نوع انسانی کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس لحاظ سے آج دین و شریعت کو علمی و استدلالی میدان میں جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اسلام تو ہمیشہ سے تازہ ہے اور ہمیشہ سدابہار رہے گا۔ آج مسلمانوں پر جو بھی نحوست طاری ہے وہ دعوت اسلامی یا جہاد سے کنارہ کشی اور ہماری لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔

علمائے سابقین کا کارنامہ:

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگلے دور کے علماء نے دور قدیم کے "عصری علوم" یعنی منطق و فلسفے میں کمال حاصل کر کے ان علوم کا زور توڑ دیا تھا۔ چنانچہ امام غزالیؒ' امام رازیؒ' اور امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلے میں خصوصی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دور کے عصری علوم یعنی سائنس اور جدید فلسفے کا زور توڑنے کے لئے ان علوم میں مکمل دسترس حاصل کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ان

علوم اور ان کے مسائل سے آگاہ نہ ہو وہ ان کی خامیوں اور کمزوریوں پر متنبہ نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے ان علوم اور ان کے مسائل سے آگاہی "کلامی" یا فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بہت ضروری ہے' تاکہ علمی اعتبار سے ان کا رد موثر انداز میں کر کے کلمہ الٰہی کو اونچا کیا جا سکے اور آج یہ کارنامہ جو شخص انجام دے گا وہ "مجدد دین" اور مجدد وقت کہلائے گا۔ لہذا اس میدان میں حاملین قرآن کو پوری طرح پیش قدمی کر کے اس میدان کو سر کرنے کی عملی جدوجہد کرنی چاہیے۔ قرآنی نقطہ نظر سے یہی سب سے بڑا جہاد ہے۔

ایک خصوصی جماعت کی تشکیل :

بات کچھ طویل ہو گئی۔ لیکن یہ تلخ نوائی ہماری امت کو جھنجھوڑنے کے لئے بہت ضروری ہے' تاکہ ہم نئے عزم حوصلے کے ساتھ اس میدان میں آگے بڑھ سکیں۔ اب ہماری امت کو بیدار کرنے کے لئے ایک نئی اور عوامی تحریک چلانا ضروری ہے اور اس کے لئے "نیا خون" درکار ہے۔ یعنی اس میدان میں صالح نوجوانوں کو تیار کیا جائے اور انہیں آگے بڑھایا جائے۔ کیونکہ کسی قوم یا ملت کا اصل سرمایہ نوجوان ہی ہیں۔ لہذا راقم سطور کی نظر میں موجودہ دور کے سب سے بڑے جہاد کو کامیاب بنانے کیلئے دو تجویزیں ہیں :

پہلی تجویز یہ ہے یہ کہ منتخب نوجوان علماً کو جدید علوم اور خاص کر سائنسی علوم کی تعلیم دی جائے' تاکہ وہ جدید علوم و مسائل میں دسترس حاصل کر کے ان علوم کی اہمیت و افادیت سے واقف ہو سکیں' تاکہ ان کے ذریعہ دلیل و استدلال کے میدان میں کام لیا جا سکے۔ یعنی ان علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد نئے نئے علمی دلائل ہمارے سامنے آئیں گے جن سے عصری ذہنیت کے مطابق مادہ پرستوں کے بے بنیاد نظریات کا توڑ ہو سکتا ہے اور "بحث و مباحثہ" میں اللہ کی بات کو غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خلاق عالم نے ہر دور کی غلط منطق کے توڑ کے لئے اپنی تخلیقات میں ایسے دلائل (آیات یا نشانیاں) رکھ چھوڑی ہیں جو الحاد پرور لوگوں کا رد و ابطال کر سکتی ہیں۔ لہذا خدا کی ان آفاقی نشانیوں کو منظر عام پر لانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور یہ کار عظیم علماً ہی کے کرنے کا ہے اور وہی اسے انجام دے سکتے ہیں اس لئے علماً کی ایک خصوصی جماعت کو اس کارِ عظیم کیلئے تیار کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اس راہ میں علمی جہاد کر کے پوری نوع انسانی کو بیدار اور متنبہ کر سکیں' جیسا کہ ارشاد باری ہے :

"بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب) نازل کی' تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے" (فرقان : ۱)

لہذا اس مقصد کے لئے بڑے بڑے دار العلوموں میں طلبہ کے لئے بعد فراغت دو سالہ خصوصی کورس رکھا جائے' تاکہ وہ جدید علوم و مسائل سے آگاہ ہو کر اپنا شرعی فریضہ بخوبی ادا کرنے کے قابل بن سکیں۔ یا

پھر نوجوان علما کو جدید علوم سے آراستہ کرنے کے لئے خصوصی مدرسے یا نئے قسم کے کالج قائم کئے جائیں۔ یہ ایک بنیادی عمل ہے جس کے بغیر اس راہ میں کامیابی محال ہے۔

بہر حال بعد فراغت نوجوان علما کی ایک منتخب جماعت کو "جدید علم کلام" کے میدان میں کام کرنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ جدید علم کلام کا مطلب ہے فلسفیانہ نقطہ نظر سے اسلامی عقائد اور اس کی تعلیمات کی معقولیت عقلی دلائل اور عصری براہین کی روشنی میں ثابت کر کے اللہ کی بات کو اونچا کرنا یہی موجودہ دور کا اصل جہاد ہے اور یہ جہاد اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک وہ دین الٰہی پوری طرح غالب نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں"۔ (توبہ: ۳۳)

لہذا اس جماعت کی کامیابی کے لئے اسے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور اسے فکر معاش سے آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ کام کر کے موجودہ دور کے جہاد کو کامیاب بنا سکے یہ ہمارا ایک قومی و ملی فریضہ ہے جسے شرعاً واجب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس فریضے سے منہ موڑنا اپنی قومی و ملی تباہی کو دعوت دینا ہے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقے کی رہنمائی

اس سلسلے میں دوسری تجویز یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک سالہ اور دو سالہ خصوصی کورس مرتب کر کے ان کی ذہن سازی کی جائے، تاکہ وہ مغربی فلسفوں اور مادہ پرستانہ نظریات کے جال سے باہر نکل کر اسلام کی خوبیوں اور اس کے نظام حیات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پھر انہیں "کار خلافت" کے اسلامی نظریہ سے روشناس کرا کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھایا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے ملت کے چند مخلص لوگوں کو اپنی زندگیاں وقف کر دینا چاہیے۔ ورنہ نتائج راتوں رات بر آمد نہیں ہو سکتے۔

اس اعتبار سے کار خلافت کے دو میدان ہیں: ایک علمی و دعوتی اور دوسرا مادی و تمدنی۔ اور ان دونوں میدانوں میں بیک وقت پیش قدمی کی بدولت ہماری ملت کی تعمیر نو ممکن ہو سکتی ہے۔ اس طرح دو طرفہ علم کے ذریعہ ہم بتدریج دوبارہ "عرش خلافت" پر فائز ہو کر دنیا کی امامت پھر سے سنبھال سکتے ہیں یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے اور اسے آج "جہادی پیمانے" پر اور جہادی اسپرٹ کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے ورنہ اس راہ میں کامیابی ممکن نہیں ہو سکتی۔

جہاد اور نفاق فی سبیل اللہ

جہاد کے لئے مال ضروری ہے ورنہ کسی بھی قسم کا جہاد کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے تمام قومی و ملی امراض کا واحد علاج جہاد ہے۔ جہاد ہی میں ہماری زندگی اور ترک جہاد میں ہماری موت ہے۔ جہاد کی فضیلت و احکام کے مسائل سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں' جن میں مختلف اسالیب کے ذریعہ اہل اسلام کو اس میدان میں کودنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس سے لاپرواہی برتنے والوں کو اس کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ چونکہ جہاد کی کامیابی کے لئے مال خرچ کرنا لازمی ہے اس لئے جو لوگ اس راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہوئے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں وہ اپنی قومی و ملی تباہی کو دعوت دیتے ہیں' جو جہاد کے تقاضوں کے خلاف ہے اسی لئے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" (بقرہ، ۱۹۵)

ایک اور موقع پر اس راہ میں بخل سے کام لینے والوں کو ڈراتے ہوئے یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس راہ میں ہاتھ روک لینے والوں کو اللہ تباہ کر کے ان کی جگہ کسی دوسری قوم کو لائے گا:

"ہاں تم دیکھو تم ہی وہ لوگ ہو کہ جب تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بخل سے کام لیتے ہیں۔ تو (جان لو کہ) جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنی ہی طرف سے کمی کرتا ہے' اللہ تو (تم سب سے) بے پرواہ ہے اور تم ہی (اس کے) محتاج ہو۔ غرض تم اگر (جہاد سے) منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لائے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے" (محمد، ۳۸)

حرف آخر:

خلاصہ بحث یہ کہ جہاد کسی قوم یا کسی ملک کے خلاف کوئی جارحانہ کاروائی نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ایک طرف دین الٰہی کی نشر و اشاعت کرنا اور اللہ کی بات کو اونچا کرنا ہے تو دوسری طرف دنیا بھر میں پھیلی ہوئی معاشرتی و تہذیبی برائیوں کو دور کرنا اور تمدنی و سیاسی جبر و استحصال یا مختلف قوموں کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کر کے خدائی عدل و انصاف قائم کرنا ہے' تاکہ مخلوقِ خدا امن و امان اور چین و سکون کا سانس لے سکے اس اعتبار سے جہاد کا پہلا نشانہ دین الٰہی کی تبلیغ ہے جو امر بالمعروف کا دوسرا نام ہے اور اس کا دوسرا نشانہ سماجی و تمدنی رخنوں کا سد باب ہے جو نہی عن المنکر کے تحت آتا ہے۔ ان دونوں اعتبارات سے اسلامی جہاد ایک خالص شرعی و اخلاقی فریضہ ہے۔

اس لحاظ سے جہاد کے دو بازو ہوئے: ایک امر بالمعروف یا دینی و انسانی قدروں کی ترویج و اشاعت' اور دوسرے نہی عن المنکر یا سماجی و تمدنی فتنوں کی روک تھام۔ چنانچہ پورا دین انہی دو چیزوں کا مجموعہ ہے اس نقطہ نظر

سے دین اسلامی کی تمام تعلیمات انہی دو چیزوں پر مشتمل نظر آتی ہے۔ اسی بنا پر دین میں ان دونوں امور کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور ان کو انجام دینا ہر مسلمان کا ایک شرعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دینے کے لئے جہادی اسپرٹ کے ساتھ اور جہادی پیمانے پر کام کرنا ضروری ہے' تب کہیں جا کر بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔

غرض تمام مسلمانوں کو ایک ہو کر اس میدان میں آگے بڑھنا چاہیے' تاکہ ہم نئی صدی میں نئے تقاضوں کے ساتھ قدم رکھ سکیں اور اس میدان میں اسلامی نظام حیات کو غالب کر کے عالم انسانی کو دونوں جہانوں کی سعادتوں سے مالا مال کر سکیں۔ یہی موجودہ دور کے لئے اللہ کا پیغام ہے اور اسی غرض کے تحت پیغمبر آخر زمان کو پوری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

"ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (انبیاء : ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ چونکہ سارے عالم کا خالق و رب ہونے کے ساتھ رحمان اور رحیم بھی ہے اس لئے وہ اپنی مخلوق پر رحمدلی اور مہربانی کا مظاہرہ اپنے نظام عدل و رحمت کے ذریعہ کرنا چاہتا ہے' تاکہ مظاہرہ عالم اور نوع انسانی کے درمیان توازن پیدا ہو سکے۔ اور اس قسم کا "توازن" پیدا کرنے کی راہ میں جدوجہد کرنے ہی کا نام "جہاد" ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر مسلمان ایک خدائی "فوجدار" ہے۔ جب تک مسلمان میں یہ احساس پیدا نہ ہو تو وہ "راکھ" کا ایک ڈھیر ہے۔

☆☆☆

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (۲۹)

اقتدار کے ایوانوں میں
شریعت بل کا معرکہ
(مولانا سمیع الحق)

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب' ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ' آغاز' رفتار کار' صبر آزما مراحل کی لمحہ بہ لمحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی' عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

ملنے کا پتہ : موتمر المصنفین' دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک نوشہرہ

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشیؒ

بزرگان دیوبند اور ان کی خدمات ملیّ

تنقید و تبصرہ کی نگاہ میں

ہم یہاں ڈاکٹر قریشی مرحوم کی کتاب "علماء ...... میدان سیاست میں" سے چند اقتباس "بزرگان دیوبند کی تاریخ خدمات ملی" کے متعلق پیش کرتے ہیں لیکن ایک وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر قریشی مرحوم علی گڑھ مکتبہ فکر کے مورخ ہیں ان کا ایک نقطہ نظر ہے انہوں نے اپنے نقطہ نظر سے تاریخ کو دیکھا اور رائے قائم کی ہے لیکن کئی باتوں میں مرحوم کی رائے سے اختلاف کے باوجود ہم ان کی عالمانہ اور مورخانہ حیثیت سے اختلاف نہیں کر سکتے انہوں نے معرکہ شاملی کے وقوع بزرگان دیوبند کے بروقت اقدام' مجاہدانہ کردار اور ناکامی کے بعد نئی حکمت عملی اور دارالعلوم دیوبند کے مقصد قیام کے بارے میں راست انداز فکر اختیار کیا ہے۔ لیکن بعض مسائل میں اس کے روپے اور بہت بعد کے حالات میں بزرگان دیوبند کے سیاسی مسلک پر (جو ان اقتباسات میں زیر بحث نہیں آیا ہے شدید اعتراضات بھی کئے ہیں۔ مرحوم ڈاکٹر صاحب کی ان آرا کو ہم درست نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر نقد و نظر کا یہ موقع نہیں۔ اس کیلئے ہمیں کسی دوسری صحبت کا انتظار کرنا چاہیے" (ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہانپوری)

معرکہ شاملی اور اس کا قائد :

"بغاوت روہیلکھنڈ اور دوآب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔ مسلم تعلیم کا ایک مرکز موجودہ اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر میں تھانہ بھون تھا۔ یہاں کے رہنما عالم حاجی امداد اللہ تھے' جن کی عظمت ایک عالم فاضل الٰہیات اور صوفی کی حیثیت سے بر عظیم کے تمام تعلیمی اور دینی حلقوں میں تسلیم کی جاتی تھی ان کے شاگردوں' مریدوں اور مداحوں کا ایک وسیع حلقہ تھا وہ مولانا نصیر الدین دھلوی کے مرید تھے جنہوں نے سندھ میں تحریک جہاد کی تنظیم کی تھی اور پھر قبائلی علاقے میں جا کر مجاہدین کی چھاؤنی میں داخل ہو گئے تھے۔ حاجی امداد اللہ کا تعلق تحریک جہاد سے اس وقت کے بعد برابر رہا تھا جب یہ تحریک ان کے مرشد کے ماتحت دوبارہ جاری کی گئی تھی وہ اس وقت شاہ اسحاق سے' جو خاندان شاہ ولی اللہ کے نمائندے تھے مشورہ کرنے کے لئے مکہ گئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو انگریزوں کے خلاف جہاد کی تلقین میں مشغول ہو گئے اور یہ کہا کہ بغاوت کے لئے کھڑے ہو جانے کا وقت اب پختہ ہو گیا ہے جب اس ضلع میں بغاوت ہو گئی تو حاجی امداد اللہ نے تھانہ بھون میں

سربر آوردہ علما کا ایک جلسہ منعقد کیا اور جہاد کی تنظیم کی۔ انہیں قائد منتخب کیا گیا۔ یہاں بھی اختلاف رائے کا اظہار ابتداً اسی بنیاد پر کیا گیا کہ انگریزوں سے لڑنے کے لئے کافی وسائل دستیاب نہیں تھے، مگر یہ اعتراض مسترد کر دیا گیا۔ رہنماؤں نے عاجلانہ تیاریاں کیں اور شاملی کے خلاف کوچ کر کے اس پر قبضہ کر لیا مجاہد فوج کی کمان مولانا ضامن علی نے کی اور ان کی مدد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے کی۔ ان کی مہم یہیں ختم ہوگئی، کیونکہ کہ اب جنگ کا رخ انگریزوں کی موافقت میں پلٹ گیا تھا سقوط دہلی نے باغیوں، ان کے حامیوں اور دوسرے لوگوں میں ایک عظیم نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ شاملی پر مجاہدین کے قبضے کے بعد جلد ہی وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اس کے بعد انگریزی فوج نے خود تھانہ بھون کی طرف کوچ کیا جس کے دفاع کی تیاریاں بعجلت تمام کی گئیں۔ انگریزوں کی طرف سے پہلے محاصرہ ناکام ہو گیا اور وہ پسپا ہوئے۔ اگلی مرتبہ وہ زیادہ بڑی فوج اور زیادہ اسلحہ لیکر آئے۔ دفاع کرنے والوں کے پاس صرف ایک توپ، چند توڑے دار بندوقیں اور تلواریں تھیں ۔ پرجوش دفاع کے باوجود، دیوار توڑ دی گئیں دروازے اڑا دیئے گئے اور مکانات لوٹ لئے گئے۔ بعض بڑے مکانات پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ رہنما بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔ حاجی امداد اللہ نے مکہ جانے کی راہ بڑی مشکل سے نکالی کیونکہ انگریزی حکام انہیں گرفتار کرنے کے لئے بہت بے چین تھے دوسرے دو رہنما مولانا عبدالغنی اور مولانا رحمت اللہ بھی مکہ پہنچ گئے موخر الذکر کو پہلے دہلی بھیجا گیا تھا کہ وہ وہاں کی صورت حال کا اندازہ لگائیں اور ان کی روداد پر تھانہ بھون میں جہاد کا انتظام کیا گیا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو ایک منصوبے کے مطابق پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس بیان میں یہ اضافہ اور کیا جاسکتا ہے کہ مولانا رحمت اللہ نے ایک بغاوت کیرانہ میں منظم کی تھی جسے کچل دیا گیا اور وہ دہلی پہنچنے میں کامیاب ہوگئے وہاں سے انہوں نے سورت کا سفر براہ راجپوتانہ کیا اور اس کے بعد مکہ روانہ ہوگئے۔ (علماً میدان سیاست میں: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، کراچی ۱۹۹۴ء ص ۴۵۔ ۲۴۳،

شاملی میں ناکامی اور نئی حکمت عملی :

دارالعلوم دیوبند کا قیام، مدرسہ رحیمیہ کی نشاۃ ثانیہ اور روح حرمت کا احیاً :

"شاہ محمد اسحاق ۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز کے جانشین ہوئے اور ۱۸۴۱ء میں حجاز ہجرت کر گئے جہاں ۱۸۴۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے کام کی ذمہ داری ان کے بھائی مولانا محمد یعقوب نے سنبھالی مگر یہ واضح نہیں ہے کہ ہندوستان میں مولانا امداد اللہ نے مولانا مملوک علی کی جگہ کب لی۔ یہ تبدیلی ۱۸۴۶ء کے لگ بھگ ہوئی ہوگی کیونکہ یہ دونوں تقرر شاہ محمد اسحاق نے کئے تھے اور وہ ان تبدیلیوں کو اپنی روانگی سے بہت زیادہ

قبل علم میں نہیں لا سکتے تھے۔اس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ جب ۱۸۵۷ء میں بغاوت شروع ہوئی تو مولانا امداد اللہ تھانہ بھون میں تھے اور یہ کہ شاملی کی مہم ان ہی کی قیادت میں بروئے کار آئی۔جب انگریز فاتح کی حیثیت سے ابھرے تو مولانا امداد اللہ مکہ کی طرف گریز کرنے میں کامیاب ہوگئے جہاں آئندہ طریق کار کے تعلق مشورے پھر شروع ہوئے۔یہ امر بالکل واضح تھا کہ برعظیم میں سیاسی حالات کسی تحریک کے لئے بالکل مساعد نہیں ہیں اس لئے سوائے اس کا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہے تھا کہ آزادی کی روح زندہ رکھی جائے اس مقصد کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدرسہ رحیمیہ کے اس انداز پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے جو اس نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے زیرِ ھدایت پیدا کیا تھا اس نے اپنے اساتذہ کے علم و فضل اور اپنی تعلیم کی عمدگی کے لئے تمام دنیائے اسلام میں شہرت حاصل کی تھی۔اس نے ایک ایسے معاشرے میں دین داری اور سوزِ روحانی کی مشعل بلند رکھی تھی جو بے کار عیش و عشرت اور اخلاقی انحطاط کے مضعف اثرات سے مغلوب ہوگیا تھا اور اسلام کی سابقہ عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی دلی آرزو پیدا کی تھی۔۱۸۵۸ء میں دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد جب انگیرزوں نے اس مدرسے کی عمارتیں مسمار کردی تھیں تو اس کا وجود ختم ہوگیا تھا۔اس نئے مدرسے کو دہلی یا اس اعتبار سے کسی بھی بڑے شہر میں قائم کرنا اس لئے خلاف مصلحت سمجھا گیا کہ اس صورت میں اس کی سرگرمیاں اجنبی حکومت کی ناپسندیدہ توجہ جذب کریں گی۔

قیام مدرسہ کیلئے دیوبند کا انتخاب :

اس کے محل وقوع کے لئے دیوبند کو منتخب کیا گیا جو گاؤں سے ہمشکل بڑا اور مواصلات کی شاہراہوں سے دور 'ایک پرسکون قصبہ تھا۔چونکہ قصبے میں رہائش کی آسانیاں میسر نہیں تھیں اس لئے مدرسے کو لامحالہ اقامتی ہونا تھا جس میں اساتذہ اور طلبہ کی برادری کے لئے سکونت کا انتظام کیا گیا تھا۔مولانا محمد قاسم نانوتوی نے منصوبہ مرتب کیا اور بعد میں یہ ادارہ بغیر کسی دھوم دھڑکے اور نہایت ادنی شروعات سے قائم کردیا۔بہت جلد عطیات آنے شروع ہوگئے اور یہ ادارہ روز بروز زیادہ قوت حاصل کرنے لگا مولانا محمد قاسم کو یہ مدرسہ ۱۸۶۶ء میں قائم کرنے کے لئے سات سال کام کرنا پڑا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی تمام زندگی اس کی تعمیر کے لئے وقف کردی۔

منصوبے کا لازمی حصہ :

یہ ادارہ اسلامی علوم کی تعلیم حنفی مذہب کے مطابق دیتا تھا اور اس کی کوشش یہ تھی کہ اس کے فارغ التحصیل طلبہ کو اتنا ضروری علم حاصل ہوجائے کہ وہ مساجد کے ائمہ اور مکاتب و مدارس کے اساتذہ کی خدمت انجام دے سکیں۔یہ اس منصوبے کا ایک لازمی حصہ تھا کیونکہ اسی طریقے سے دیوبند کا پیغام برعظیم کے مختلف

حصول تک پہنچ سکتا تھا یہ علمی درس گاہ اس مقصد میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئی اور اس کا اثر نہ صرف بر عظیم کے بعید ترین گوشوں تک پہنچا بلکہ قبائلی علاقوں اور افغانستان میں بھی پھیل گیا۔ اعلیٰ تعلیمات اور تخصص کی آسانیاں وہاں ہمیشہ موجود رہی ہیں مگر ان کیلئے نصاب تعلیم کبھی مقرر نہیں کیا گیا اور ممتاز طلبہ اپنی ہدایت ایسے اساتذہ سے حاصل کرتے ہیں جو متعلقہ مضمون میں اختصاصی تبحر رکھتے ہیں۔ پہلے نصاب تعلیم سات سال پر پھیلے ہوئے تھا اب فارغ التحصیل ہونے میں آٹھ سال لگتے ہیں اور یہی واحد سند ہے جو حاصل کی جا سکتی ہے۔ تخصص کے ذریعے کوئی اور برتر سند نہیں ملتی۔ دنیائے اسلام کے اندر دیوبند نے خود اپنے میدان میں بلند شہرت قائم کرلی ہے۔

سرکاری امدادوں اور مدرسے کی حکمت عملی:

اس نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی مستقل امداد یا خاص رقم قبول کر کے اپنی آزادی کا سودا نہ کرے۔ کانپور کی مسجد کے سلسلے میں جس کا ذکر آئندہ آئے گا' سر جیمس اسٹن گورنر صوبہ متحدہ (جہاں دیوبند واقع ہے) کو اس کی حکمت عملی نے مسلمانوں میں غیر مقبول بنادیا تھا۔ اس لئے وہ مضطرب تھا کہ کسی قسم کی تلافی کرے چنانچہ معائنے کی غرض سے اس کے دیوبند آنے کا انتظام کیا گیا اور سر جیمس چاہتا تھا کہ کسی متوالی یا غیر متوالی امداد کا اعلان کرے مگر اس پیش کش کو اس توجیہ کے ساتھ شریفانہ طور پر رد کردیا گیا کہ حکومت سے کوئی مالی امداد لینا اس ادارے کی حکمت عملی کے خلاف ہے جب مہتمم کو گورنر کی دعوت موصول ہوئی اور انہوں نے شمس العلماً کا خطاب قبول کیا تو اس پر بھی ادارے کے اندر اور باہر نکتہ چینی کی گئی۔

مدرسہ دیوبند اور مذہبی نزاعات:

اس درس گاہ کا منصوبہ بنانے والوں کی ابتدائی حکمت عملی یہ بھی تھی کہ اس کے اساتذہ سنی علماً کے دوسرے مکاتب فکر سے فرقہ وارانہ نزاعات میں نہیں الجھیں گے مگر بد قسمتی سے اس کی پابندی نہیں کی گئی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ جو اختلافات شروع ہوئے انہوں نے حنفیوں کو مخالف گروہوں میں تقسیم کردیا ہے اور اب ان کے درمیان ذرا سی بھی مودت باقی نہیں ہے۔ (۱)

چونکہ اس مدرسے کو اپنے فرائض برطانوی ہند میں انجام دینے تھے اس لئے حکومت کو اسے بند کرنے کا کوئی بہانہ مہیا کرنا خلاف مصلحت ہوتا۔ اس کے وجود کی حفاظت بڑے اہتمام کے ساتھ کی جاتی تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے اساتذہ اور طلبہ اپنے سیاسی تعلقات کے انتخاب میں آزاد ہوں گے اور سیاسی تحریکات میں عملاً حصہ بھی لیں گے لیکن اگر اس قسم کی سرگرمیاں اس ادارے کے وجود کو کسی خطرے میں ڈالیں گی تو وہ اس سے اپنے رسمی تعلقات منقطع کرلیں گے۔

بالکل یہی صورت اس وقت پیش آئی جب مولانا عبید اللہ سندھی کی سیاسی سرگرمیوں نے ایسا رخ اختیار کیا کہ برطانیہ سے تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ انہیں دیوبند چھوڑنا اور دہلی میں کام کرنا پڑا۔

اس صورت حال پر اس کے مناسب سیاق میں بحث کی جائے گی مگر مذکورہ بالا نکتہ کی وضاحت کے لئے اس واقعے کا ذکر یہاں بھی کرنا پڑا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر کہ دیوبند کا اثر افغانستان اور قبائلی علاقے میں پھیلایا جائے حنفی مکتب فکر سے مضبوط وابستگی اور نزاع پیدا کرنے سے احتراز کی حکمت عملی بہت معقول تھی مگر بد قسمتی سے اس دارالعلوم کی بعض راہ نما ہستیوں نے بھی ایسی آرا کے اظہار کی شدید خواہش کو نہیں دبایا جنہیں خاموشی کے ساتھ بغیر اعتراض وتردید کے نہیں سنا جاسکتا تھا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی ایک عظیم المرتبت عالم اور عمیق معارف روحانی سے بہرہ ور صوفی تھے ان کی یاد گہری تعظیم و تکریم کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ وہ علماً کے اس سب سے زیادہ اندرونی حلقے کے ایک رکن تھے جن کی رہ نمائی میں دیوبند کی حکمت عملیاں تشکیل پاتی تھیں۔ انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کے لئے کووں کا گوشت کھانا حلال ہے جو اس زمانے میں تمام دنیا کے مسلمانوں کے جذبے اور روایت کے خلاف تھا اور اب بھی ہے انہوں نے یہ استدلال بھی کیا کہ خدا کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ محمد ﷺ جیسا ایک اور نبی پیدا کردے انہوں نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ اگر خدا چاہے تو وہ جھوٹ بول سکتا ہے اگرچہ وہ کبھی ایسا نہیں کرتا اور بے شک انہوں نے بزرگان دین کے مزارات پر سالانہ عرس کے اجتماعات اور فاتحہ اور میلاد کے مروجہ مراسم کی مذمت کی اس کا ایک جواب بغیر کسی نام کے دیا گیا جس کا جواب الجواب مولانا خلیل احمد امیٹھوی نے دیا اس کا ذکر ضرور کرنا چاہیے کہ یہ جواب غیر ضروری طور پر سخت ناپسندیدہ زبان میں پیش کیا گیا۔ دونوں مکاتب فکر کے پیروؤں کے جذبات مشتعل ہوئے اور اس سے قدرتاً تشویش پیدا ہوئی چنانچہ حاجی شاہ امداد اللہ نے ایک مصالحانہ بیان شائع کیا۔ (۲)

اس نزاع نے کم و بیش ویسا ہی افتراق پیدا کیا جیسا سید احمد شہید کے پیروؤں کی بعض آرا نے ایسے مراسم عبادت کی پابندی کے ذریعے پیدا کیا تھا جنہیں قبائلی علاقے کی مقامی آبادی پسند نہیں کرتی تھی۔ (۳) دیوبند کے مکتب فقہ کی مخالفت خاصی عام ہو گئی تھی اور اب بھی موجود ہے۔ اس دوران میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ظہور دیوبندیوں کے خاص مخالف کی حیثیت سے ہوا (۴) حنفی جو برعظیم کے مسلمانوں میں زبردست اکثریت رکھتے تھے دیوبندیوں اور بریلویوں کے دو متخاصم گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کا یہ نزاع ختم ہونے کے آثار اب بھی نظر نہیں آتے در حقیقت ان دونوں گروہوں کے درمیان اختلافات نے موجودہ صورت حال کو اور زیادہ خراب بنا دیا ہے۔ جاہل عوام کے ذہن میں دیوبندی خیالات وہابیت کی ایک ایسی شکل کے مماثل ہو گئے جو

کسی قدر زیادہ نرم ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس میں تحریک دیوبند کے بانی حنفی مکتبہ فکر کی تعلیمات سے مکمل مطابقت پر اصرار کر کے بچنا چاہتے تھے۔

دار العلوم دیوبند کا قیام :

یہ دار العلوم ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں نمایاں طور پر لڑنے والوں کی ایک خاص تعداد کیلئے جائے پناہ تھا مثلاً مولانا محمد منیر نانوتوی، جو مشہور مولانا مملوک علی، مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا عبدالغنی کے شاگرد تھے اور ان لوگوں میں نمایاں تھے جو انگریزوں کے خلاف بڑی جرأت کے ساتھ لڑے۔ کئی سال تک اس ادارے کے مہتمم رہے اس قسم کے تقررات اس ادارے کی حکمت عملی کے مطابق تھے کیونکہ انگریزوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں انتہائی احتیاط برتنے کے باوجود، تاکہ انہیں کاروائی کرنے کی کوئی وجہ نہ مل سکے خاص مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو بالکل مطمئن اور اپنی غلامی پر راضی برضا نہ ہونے دیا جائے۔

دار العلوم کے برادر ادارے :

ایسے برادر اداروں کے قیام کی ہمت افزائی کی جاتی تھی جو اسی قسم کے اعلیٰ مقاصد کے تحت جاری کئے جائیں پہلے دو مدرسے سہارنپور اور مرادآباد میں قائم کئے گئے بعد میں ایسے اداروں کی تعداد تقریباً چالیس ہوگئی باضابطہ الحاق کا کوئی نظام نہیں تھا مگر اساتذہ زیادہ تر ایک ہی مکتب فکر کے لوگ ہوتے تھے بعد میں تقرر کیلئے دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ اور بعض اوقات اساتذہ کی سفارش کی جاتی تھی۔

مظاہر العلوم سہارنپور :

سہارنپور کا مدرسہ مولانا سعادت علی سہارنپوری کے زیر نگرانی قائم کیا گیا تین مہینے بعد ۱۸۶۶ء میں مولانا محمد مظہر نانوتوی استاد حدیث اور صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ وہ بھی مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے اور انہوں نے حدیث کا درس مولانا محمد اسحاق کے قدموں میں لیا تھا۔ وہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں لڑے تھے اور سقوط شاملی کے بعد پوشیدہ ہوگئے تھے۔ مدرسہ کو ان کی نگرانی میں فروغ حاصل ہوا۔ وہ بہت جلد ایک اچھی عمارت تعمیر کرنے کے قابل ہوگیا اور اس میں منتقل ہونے کے بعد اس کا نام "مظاہر العلوم" رکھا گیا اور اس نے اسلامی علوم و فنون کے ایک مرکز کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

ان اداروں کی خصوصیات :

ان اداروں کو اسلام کی بہترین علمی روایات کے مطابق چلایا جاتا تھا وہ اساتذہ اور طلبہ کی ایسی بستیاں تھیں جن کا انتظام خود ارکان مجلس علمی کرتے تھے اساتذہ ان قدرے قلیل وظائف پر قناعت کرتے تھے جو انہیں بطور تنخواہ وصول ہوتے تھے۔ اور ادارے کو ایسی مالی امدادیں قبول کرنے پر جو کسی کی طرف سے کوئی پابندی

عائد کرتی ہوں مجبور کر کے اپنی آزادی کا سودا نہیں کرتے تھے۔ کسی معطی کو مدرسے کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اساتذہ کی ہر نسل مختلف میدانوں میں بلند مرتبت علمأ پیدا کرتی تھی جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے ان اداروں نے محض کتابی کیڑا پیدا نہیں کئے ان کے اساتذہ اور طلبہ اپنے اردگرد کی دنیا سے دلچسپی لیتے تھے اور جب کبھی انہیں افق پر کوئی خطرہ نظر آتا تھا تو وہ اس کے مقابلے کی تیاریاں کرتے تھے۔

ایک تنقیدی نظر :

مگر اپنی قدامت پسندی سے بدگمانی کی بناپر وہ مسلم عوام کے لئے قیادت مہیا کرنے کے اولین مقصد میں ناکام ہوگئے اور مسلم عوام' اس احترام کے باوجود جو علمأ کے لئے ان کے دلوں میں تھا' اپنی قسمت آئندہ کے لئے ان کے سپرد نہیں کر سکتے تھے لیکن اس صورت حال کو محسوس کرنے میں خاصہ عرصہ لگا۔

ریشمی رومال تحریک اور اس کا پس منظر :

۷۸۔۱۸۷۶ء کی روس ترکی جنگ کے بعد مسلم دنیا میں یہ احساس کہ اسلامی آزادی برابر سکڑ رہی ہے تقریباً عام ہوگیا اس عمل کو کس طرح روکا جاسکتا تھا؟ اگر مسلم ممالک اپنے آپ کو مسلح کرتے اور انہوں نے اپنے جنگی سازوسامان اور افواج کو نئے طرز پر لانے کا کام پہلے ہی شروع کر رکھا تھا...... تو کیا وہ اس دوڑ میں مغرب کو پکڑ لیتے؟ وہ ایسا کر سکتے تھے' جیسا کہ جاپان نے کر دکھایا مگر پھر یہ بھی تو ہے کہ جاپان اس طرح مسلسل دباؤ میں نہیں رہا تھا جیسا کہ مسلم دنیا رہی تھی۔ براعظم میں سلطنت مغلیہ کے خاتمے نے برطانیہ عظمیٰ کو ایشیا کے مرکز میں بٹھا دیا تھا۔ مسلم دنیا کا مغربی حصہ گھر گیا تھا شمالی افریقہ اور ایشائے کوچک میں یورپ توسیع کی ایک طویل روایت کے ساتھ مجبور تھا اور اسے صرف اسی وقت آگے بڑھنے سے روکا جاسکا تھا جب مسلمان طاقتور تھے جنوبی اور وسطی افریقہ نے یوروپی نوآبادکاری کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا چونکہ برّ ہند میں مسلمانوں کی بالادستی ختم ہوچکی تھی اس لئے مسلم دینا کا مشرقی حصے پر جو جزیرہ نمائے ملایا سے لے کر فلپائن اور شرق الہندی مجمع الجزائر کے انتہائی کناروں تک تھا' قبضہ ہوگیا تھا اب یورپ کی تقریباً مجموعی طاقت اس پر تلی ہوئی تھی کہ عثمانیوں کو یکے بعد دیگرے مسلسل حملوں سے جانبر ہونے کا کوئی موقع نہ دے"

اسی زمانے میں جب ۷۸۔۱۸۷۶ء کی روس ترکی جنگ ہورہی تھی' بعض تخیل پسند مسلمانوں نے جو نہ جغرافیہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور نہ انہیں بین الاقوامی صورت حال کے حقائق کا علم تھا سلطان کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ وہ سوڈان کے مہدی اور ایران سے اتحاد کر کے ہندوستان پر حملہ کر دے۔ سلطان نے اس قسم کی غیر ممکن العمل تجویز پر کوئی توجہ نہیں کی مگر اس نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کی کچھ حمایت حاصل کرنی چاہیے۔ براعظم کے مسلمانوں نے ان سپاہیوں کے خاندانوں کی امداد کے لئے جو شہید یا

معذور ہو گئے تھے چندہ جمع کیا وہ جنگ یونان و ترکی کے واقعات کو بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ جب ۱۸۹۷ء میں ترکوں نے تھیسلی میں یونانیوں کو شکست فاش دی تو بمبئی اور شملہ کے جیسے طویل فاصلوں پر واقع شہروں میں جشن منائے گئے ایک مسلم وفد ترکی قونصل جنرل سے ملا اور اس سے درخواست کی کہ وہ برا عظم کے مسلمانوں کی طرف سے خلیفہ کو ہدیہ تہنیت پہنچادے۔ خطبہ جمعہ میں سلطان ترکی کے نام کا ذکر اس کے خطابات کے ساتھ کرنے کا رواج اسی وقت پڑا۔ ایسی حالت میں کہ عیسائی طاقتیں اس کی عیسائی رعایا کی وفاداری کو تباہ کررہی تھیں کیا وہ بھی عیسائی طاقتوں کی مسلم رعایا کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کوشش کر سکتا تھا؟ وہ خلیفہ تھا اور اس حیثیت سے تمام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ کہیں رہتے ہوں امیر المومنین تھا اس لئے اس نے بطور خلیفہ کے اپنی حیثیت پر زور دینا شروع کیا۔ اور چونکہ اس کی کوشش اس اعتبار سے بار آور ہو رہی تھیں کہ اس کی حیثیت اس کی سلطنت سے باہر بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان آزاد نہیں تھے تسلیم کی جارہی تھی اس لئے اس کی ہمت افزائی ہوئی وہ ہر سال حج کے دوران بڑے اجتماعات کے ذریعے دنیا کی مسلم آبادی کے نہایت دین دار طبقوں تک رسائی رکھتا تھا۔ یہ بات چاروں طرف پھیل گئی کہ مسلمانوں پر خلیفہ کی اطاعت واجب ہے۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سلطان کو یہ خیال بہم پہنچانے میں (ایک حد تک) انگریزوں کا بھی ہاتھ تھا۔ انہوں نے پھر سلطان کو ترغیب دی تھی کہ وہ ٹیپو سلطان کو ایک خط لکھے اور اس میں انگریزوں سے وفاداری کی طرف اشارہ کرے اپنوں نے پھر دوبارہ اسے یہ ترغیب دی تھی باج گزار مسلم والیان ریاست کو یہ لکھے کہ وہ ۱۸۵۷ء میں باغیوں کا ساتھ نہ دیں۔ اگر سلطان کا اثر کسی بغاوت میں شرکت سے مسلمانوں کو روک سکتا تھا تو کیا وہ بغاوت برپا نہیں کرا سکتا تھا؟

اسلئے جب یہ واضح ہو گیا کہ ترکی کو پہلی عالمی جنگ میں شریک ہونا پڑے گا تو سلطان نے اپنی کوششیں تیز کردیں چونکہ برا عظم کے مسلمانوں نے ان جنگوں کے دوران جو ۱۳۔ ۱۹۱۱ء کے زمانے میں ہوئی تھیں ترکوں کے لئے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا اس لئے ان کی طرف مخصوص کوششیں منعطف کی گئیں۔ متعدد ترک مختلف بہانوں سے برا عظم آئے۔ کمال عمر بے اور عدنان بے کو جنگ بلقان کے دوران مدد کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ترکی انجمن ہلال احمر کی طرف سے بھیجا گیا۔ وہ بمبئی 'دہلی' لاہور' پٹنہ لور کلکتہ گئے اور سربرآوردہ مسلمانوں سے روابط قائم کئے تھوڑے عرصے کے بعد قسطنطنیہ کے ایک اخبار کے ایڈیٹر ایس۔ ایم۔ توفیق بھی ان میں شامل ہو گئے۔ برا عظم کے حامیان اتحاد اسلامی کے ساتھ ان کا رابطہ رہا تھا ان کے بعد ترکی فوج کے محمد سمیع بے اور لیفٹنٹ مصطفیٰ صادق آئے جو کراچی میں جہاز سے اترے اور اتحاد اسلامی کے حامیوں سے تعلقات استوار کرنے کے لئے بمبئی' دہلی اور لاہور گئے پھر تین ترک اور دو ان کے ملازم کاشغر جانے کے ارادے سے

بمبئی میں اترے انہیں ایشیائے وسطی کے مسلمانوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا تاکہ وہ اتحاد اسلامی اور اتحاد تورانی کے جذبات کی بنیاد پر حمایت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہندوستانی محکمہ خبر رسانی نے یہ دریافت کیا کہ محمد سمیع بے حقیقتاً حاجی سمیع بے تھے اور مجلس اتحاد و ترقی کی طرف سے بھیجے گئے تھے جو نوجوان ترکوں کی سیاسی تنظیم تھی۔ سمیع بے کا بھائی اشرف بے ترکوں کے لئے حمایت حاصل کرنے کی غرض سے مصر بھی گیا تھا اور وہاں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ایک ہندوستانی مسلمان قسطنطنیہ سے ایک ہفتہ وار اخبار ''جہان اسلام'' نکالتا تھا جس میں ترکی، عربی اور اردو کے مضامین شائع ہوتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایشیائے وسطی، عربی بولنے والے ممالک اور براعظم کی رائے عامہ کو متاثر کرے۔ وہ براعظم کے مسلم اخبارات کے ایڈیٹروں اور اتحاد اسلامی کے حامیوں کے پاس برابر آتا تھا انہیں کمال عمر بے اور عدنان بے کی طرف سے ایک گشتی مراسلہ بھی موصول ہوا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ترکی جرمنی کے اتحادی کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہو جائے گا۔ ترکی نے حصول حمایت کے لئے اپنی کوششیں افغانستان میں بھی جاری کر دیں ان علاقوں سے راست روابط کے علاوہ حج سے واپس آنے والے حاجی بھی اپنے ساتھ ایسے دستی اشتہارات لاتے تھے جن میں ترکی کے لئے امداد و حمایت کی درخواست کی جاتی تھی۔ اس کے جواب میں کابل کے سراج الاخبار نے ترکی کے لئے گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور اس پر بھی زور دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ برعظیم میں اس اشاعت کے نسخے بڑی تعداد ان میں موصول ہوئے اور شوق سے پڑھے گئے۔ مولانا محمد علی نے اپنا مشہور مضمون ''ترکوں کا انتخاب'' اپنے ہفتہ وار اخبار ''کامریڈ'' میں لکھا جس کا نتیجہ بعد میں یہ ہوا کہ انہیں نظر بند کر دیا گیا اور ان کا پریس ضبط کر لیا گیا۔

آخر کار برعظیم میں یہ خبر پہنچی کہ سلطان نے اعلان جنگ کر دیا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ یہ جنگ جہاد ہے انجمن خدام کعبہ کے دو ارکان کی قیادت میں سات سو حاجیوں کی ایک جماعت ترکوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے حجاز ہی میں رہ گئی۔ مشہور مصری حامیء اتحاد عبدالعزیز شاویش کو مجلس اتحاد و ترقی نے اتحادیوں کے خلاف کام کرنے کے لئے مقرر کیا ان کا رابطہ مولانا محمد علی، مولانا ظفر علی خان اور کلکتہ کے امام الدین سے قائم تھا۔ چند سر برآوردہ مسلمانوں کا ایک جلسہ بڑی رازداری کے ساتھ دفتر 'ہمدرد دہلی' میں اس لئے منعقد ہوا کہ جہاد کے امکانات پر بحث کی جائے۔ اب حکومت نے کاروائی کی۔ مولانا ظفر علی خان کو ترکوں کی حمایت میں ایک تقریر کرنے پر نظر بند کیا گیا۔ مولانا محمد علی اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی نظر بند کر دیئے گئے اور ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' ضبط کر لئے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی نظر بند کئے گئے اور ''الہلال'' کی اشاعت بند ہو گئی۔

لاہور کے مہاجر طلبہ :

سلطان نے خلیفہ کی حیثیت سے جو فتوائے جہاد جاری کیا تھا اس کے نسخے سرحد کے لشکر مجاہدین میں موصول ہوئے تھے ۔ اس تنظیم کے نمائندے مولوی فضل الٰہی تھے اور ان کے گماشتے لاہور میں مولوی عبدالرحیم تھے جو عام طور پر مولوی بشیر کے نام سے مشہور ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں پر جوش مسلم طلبہ کا ایک گروہ تھا جنہیں مولوی عبدالرحیم نے یہ ترغیب دی کہ وہ ترکی فوج میں شریک ہو کر جہاد میں حصہ لیں۔ گورنمنٹ کالج کے آٹھ طلبہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے چار طلبہ اور ایچیسن چیفس کالج اور اسلامیہ کالج کے ایک ایک طالب علم نے رازاری کا حلف اٹھایا اور ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو معتدبہ تکالیف کے بعد مرکز میں پہنچے اور وہاں سے کابل آگئے۔ کوہاٹ اور پشاور کے چند طلبہ بھی ان سے جا ملے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن :

یہ نوجوان ہی وہ مسلمان نہیں تھے جن کا ذہن اس سمت میں کام کر رہا تھا دارالعلوم دیوبند کے ایک استاد مولانا محمود حسن بھی جو بعد میں شیخ الہند کے لقب سے مشہور ہوئے ترکوں کی مدد کرنے کے لئے برعظیم میں ایک بغاوت منظم کرنے کے امکانات پر غور کر رہے تھے ان کے ایک شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی اس کام کے لئے نہایت موزوں شخصیت رکھتے تھے۔ وہ ایک پیدائشی انقلابی تھے۔ ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور ابھی طفلِ مکتب ہی تھے کہ مسلمان ہو گئے تھے استاد اور شاگرد نے ایک دوسرے پر بڑا گہرے اثر ڈالے۔ مولانا عبیداللہ کا منصوبہ یہ تھا کہ جہاد کے عقیدے کو دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ کے ذریعے تمام برعظیم میں پھیلایا جائے۔ دارالعلوم کی انتظامیہ کو یہ فکر تھی کہ حکومت کو کوئی ایسا بہانہ فراہم نہ کیا جائے کہ وہ اس ادارے کو تباہ کر دے اس لئے اس نے انہیں استاد کے عہدے سے سبکدوش کر دیا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ :

مولانا عبیداللہ بغیر کسی خوف و خطر کے دہلی چلے گئے وہاں انہوں نے حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک کی مدد سے "نظارت المعارف القرآنیہ" کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ جو مسلم نوجوان برطانوی ہندی لادینی تعلیم کے زیر اثر آ رہے ہیں ان میں تعلیمات اسلامی کو مقبول بنایا جائے۔ یہاں بھی انہوں نے دو مختصر رسالے لکھے جن میں اتحاد عالم اسلامی کی اہمیت پر زور دیا۔ ان رسائل میں انہوں نے اس منصوبے کی حمایت بھی کی کہ برعظیم پر باہر سے ایک حملہ ہونا چاہیے اور اس کے بعد ہی انگریزوں کے خلاف ایک بغاوت اندورن ملک برپا ہونی چاہیے۔

استاد شاگرد کے بیرون ہند کے سفر :

وہ مولانا محمود حسن کے پورے تعاون سے کام کر رہے تھے، جنہوں نے اب یہ سوچا کہ بہترین کام کسی

مسلم ملک ہی میں جا کر ہو سکتا ہے اور اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ حجاز جائیں گے اور مولانا عبید اللہ سندھی سے کہا کہ وہ افغانستان جائیں جو جرمن، ترکی اور ہندوستانی باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ مولانا محمود حسن ہندوستان سے عین وقت پر روانہ ہو گئے کیونکہ حکومت ہند انہیں گرفتار کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ مگر یہ خبر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بعض ہمدردوں کے ذریعے مل گئی تھی اور انہوں نے مولانا کے سفر کا انتظام کر دیا تھا۔ مولانا محمود حسن اپنی روانگی سے قبل انگریزوں کے خلاف خفیہ کام کر رہے تھے۔ ہندو اور سکھ انقلابیوں سے ان کا رابطہ قائم تھا اور وہ اکثر خفیہ طور پر ان سے ملنے دیوبند آیا کرتے تھے، جہاں انہوں نے ایک مکان خاص طور پر ان کے ٹھہرنے کے لئے کرایہ پر لے رکھا تھا۔

قبائلی علاقے میں جہادی سرگرمیاں :

اس کے علاوہ انہوں نے سرحد پر لشکر مجاہدین کو سرگرم عمل کرنے کی بھی کوششیں کیں اور اپنے معتمد ایلچی اس علاقے میں بھیجے تاکہ قبائل میں اتحاد پیدا کریں۔ اور مجاہدین کے متعلق ان کی غلط فہمیاں دور کریں۔ اس مقصد میں انہیں متعدبہ درجے تک کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ ان کے بہت سے شاگرد اس علاقے میں تھے جن پر مقامی آبادی کا اعتماد قائم تھا حاجی ترنگ زئی کو بھی اس پر آمادہ کیا گیا کہ وہ برطانوی علاقہ چھوڑ کر قبائلی علاقے میں منتقل ہو جائیں۔ ابتداً میں قبائل اور مجاہدین کو کامیابی ہوئی مگر بعد میں انہیں مشکلات در پیش آئیں جن کی ایک وجہ تو اسلحہ کی کمی تھی اور دوسری وجہ انگریزوں کا یہ پروپیگنڈہ تھا کہ سرحدی علاقے کو قریب ترین مسلم فرمانروا امیر افغانستان کی رہنمائی کا انتظام کرنا چاہیے۔ (اور جہاد سے پہلے جہاد کی بیعت ضروری ہے) یہ چال کام کر گئی، کیونکہ انگریز جانتے تھے کہ امیر حبیب اللہ خان انگریزوں سے نہیں لڑیں گے۔ یہی وہ واقعات تھے جن کے پیش نظر مولانا محمد حسن نے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجنے کا فیصلہ کیا، اور اگر یہ خبر نہ آتی کہ انگریزوں کا ارادہ انہیں گرفتار کرنے کا ہے تو بھی وہ حجاز روانہ ہو جاتے اس خبر نے ان کی روانگی میں صرف تعجیل کر دی۔ وہ اس معاملے میں خوش قسمت تھے کہ صوبائی حکومت کے نام احکام بذریعہ تار اس وقت بمبئی پہنچے تھے جب جہاز بندرگاہ سے روانہ ہو گیا تھا اور یہی صورت عدن میں پیش آئی۔

کابل میں انقلابی سرگرمیاں :

مولانا عبید اللہ سندھی پہلے سندھ گئے اور وہاں سے بلوچستان سے ہوتے ہوئے مقامی لوگوں کی مدد سے قندھار پہنچے۔ پھر انہیں کابل بھیجا گیا جہاں خفیہ طور پر ان کی باریابی امیر حبیب اللہ خان کی خدمت میں ہوئی مولانا عبید اللہ سندھی نے انقلابی ہندوستانی جماعت سے رابطہ پیدا کیا۔ جنگ کے آغاز پر بہت سے ہندوستانی برلن گئے تھے جہاں انہوں نے ہردیال کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف سرگرمیاں منظم کیں۔ برلن کے اس گروہ نے

سوچا کہ افغانستان میں اس کی بھی نمائندگی ہونی چاہیے تاکہ وہ ہندوستان سے روابط قائم کر سکے۔ کابل میں اس گروہ کے رہنما راجہ مہندر پرتاب اور مولوی برکت اللہ (بھوپالی) تھے موخر الذکر ہندوستانی غدر پارٹی کے ارکان تھے' جسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں رہنے والے متعدد ہندوستانیوں نے منظم کیا تھا۔ وہ ٹوکیو میں اردو کے پروفیسر رہ چکے تھے اور ایک متشدد مخالف برطانیہ جریدے کے ایڈیٹر تھے انہیں جاپانی حکام نے برخاست کر دیا اور ان کا اخبار (اسلامی فریٹرنیٹی جو انگریزی جاپانی اور اردو تین زبانوں میں بیک وقت شائع ہوتا تھا) بند کر دیا گیا۔ وہ ٹوکیو سے برلن گئے تھے اور وہاں سے انہیں کابل بھیجا گیا تھا اسی طرح راجہ مہندر پرتاب جینیوا گئے تھے جہاں وہ ہر دیال سے ملے تھے ۱ اس کے بعد وہ برلن گئے جہاں سے انہیں کابل روانہ کر دیا گیا جرمن مشن اپنے ہندوستانی مشتے کے متعلق جس وہم کا شکار تھا اس کا ازالہ بہت جلد ہو گیا کیونکہ ہندوستانیوں نے برعظیم کے اندر بغاوت برپا کرنے میں کامیابی کی بڑی امیدیں دلائی تھیں مگر انہوں نے دیکھا کہ نہ امیر افغانستان کے جنگ میں شریک ہونے کا امکان تھا اور نہ ہندوستان میں ہندوستانی کچھ کر سکتے تھے۔

ہندوستانی جماعت کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی کی فریفتگی بھی دور ہو گئی ان کی رائے یہ تھی کہ راجا مہندر پرتاب ایک ہندو فرقہ پرست ہے اور پنڈت مدن موھن مالویہ سے اس کا ساز باز ہے جنہیں وہ افغانستان میں ترکی جرمن جدوجہد کے تمام راز بھیج دیتا ہے۔ انہوں نے یہی رائے پنجابی آریہ سماجی رہنما لالہ لالجپت رائے کے متعلق قائم کی۔ ان کی رائے برلن گروہ کے متعلق بھی یہ تھی کہ وہ ہندوستانی قوم پرستی کے پردے میں ھندو فرقہ پرستوں کی ایک جماعت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ برعظیم پر کسی ترکی جرمن حملے کو ٹلائے اور اگر ایسا حملہ ناگریز ہو جائے اور امیر افغانستان کی مدد سے کامیاب ہوتا معلوم ہو تو ہندو مفادات کے تحفظ کے لئے اس میں نیپال کے بھی اسی طرح شامل ہونے کا بندوبست کیا جائے۔ برکت اللہ کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں صرف اس لئے شامل کر لیا گیا تھا کہ ایک ہندو تنظیم کو پوری طرح ہندوستانی تنظیم کے رنگ میں پیش کیا جائے۔

مولانا محمد میاں کی سرگرمیاں :

مولانا عبید اللہ سندھی کے ساتھ مولانا محمد میاں انصاری بھی جا ملے۔ جو دیوبند میں ان کے رفیق کار رہ چکے تھے انہوں نے مولانا محمود حسن کے ساتھ حجاز تک سفر کیا تھا اور وہاں سے انہیں ترکی جنرل غالب پاشا کی طرف سے ایک دعوت جہاد کے ساتھ ہندوستان واپس بھیجا گیا تھا مولانا محمد میاں انصاری نے اس دعوت جہاد کے نسخے اپنے سفر کے دوران مختلف مقامات پر اور ہندوستان میں تقسیم کئے جو لوگ شریک راز تھے وہ اس دستاویز کو "غالب نامہ" کہتے تھے حکومت ہند کی سخت نگرانی کے باعث صرف چند نسخے تقسیم کئے جا سکے مولانا

محمد میاں انصاری کو گرفتار کرنے کے احکام جاری ہو چکے تھے، مگر وہ قبائلی علاقے کی طرف نکل جانے میں کامیاب ہوگئے جہاں انہوں نے کچھ عرصے لشکر مجاہدین میں قیام کیا اور اس کے بعد کابل چلے گئے۔

کابل کی عارضی حکومت ہند اور اس کے مشن :

کابل میں جو عارضی حکومت قائم کی گئی تھی اس کے صدر راجا مہندر پرتاب اور وزیر اعظم برکت اللہ تھے جب اس میں مولانا عبید اللہ کو شامل کیا گیا تو انہیں وزیر داخلہ مقرر کیا گیا۔ جرمن مشن ۱۹۱۶ء کے آغاز میں واپس چلا گیا۔ عارضی حکومت نے ایک مشن روس بھیجا اور زار سے یہ درخواست کی کہ وہ برطانیہ عظمی سے اپنے اتحاد کو ختم کردے اور ہندوستان پر حملہ کرے یہ خط ایک طلائی تختی پر کندہ کیا گیا تھا۔ ترکی اور جاپان کو بھی مقصدی وفود بھیجے گئے۔ مولانا عبید اللہ نے ان وفود میں اپنے اعتماد کے نوجوانوں کو شامل کرنے پر اصرار کیا تاکہ اس کا اطمینان حاصل ہو سکے کہ مسلم نقطہ نگاہ کی نمائندگی ضرور ہوگی اور مذاکرات کے دوران جو کچھ ظاہر ہوگا وہ ضرور ان کے علم میں آئے گا۔

ریشمی خطوط اور جنودِ ربانیہ کا قیام :

مولانا محمد میاں انصاری نے ایک خط مولانا محمود حسن کو لکھا جس میں تمام پیش آمدہ واقعات و حالات کی تفصیلات تھیں اور "حزب اللہ" (۵) کے نام سے ایک ایسی فوج تنظیم کے متعلق تجاویز بھی تھیں جس کا مرکز مدینہ میں اور مقامی مراکز قسطنطنیہ، تہران اور کابل میں رکھنے کا منصوبہ تھا۔ یہ ساری تنظیم مولانا محمود حسن کے ماتحت تھی کابل کا مرکز مولانا عبید اللہ سندھی کے ماتحت ہونا تھا۔ ایک اور خط بھی مولانا محمد میاں انصاری کی طرف سے شیخ عبدالرحیم حیدر آبادی (سندھ) کے نام تھا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ مولانا محمود حسن کے نام کا خط کسی معتمد حاجی کے ذریعے ان کے پاس بھجوادیں اور اگر کوئی کافی معتمد شخص دستیاب نہ ہو تو اسے خود لے جائیں یہ خطوط زرد ریشمی کپڑے پر بالکل صاف لکھے ہوئے تھے اسی لئے انہیں "ریشمی خطوط" کہا جانے لگا۔ یہ ریشمی کپڑا پیغامبر کی صدری اور اس کے استر کے درمیان سی دیا گیا تھا اور اسے بڑی احتیاط کے ساتھ ہدایات دے دی گئی تھیں۔

افشائے راز :

اس کا ظاہری مقصد سفر یہ تھا کہ جو طلبہ افغانستان گئے ہوئے تھے ان میں سے ایک طالبعلم کے باپ کو اس کے بیٹے کی خیریت سے مطلع کردے۔ وہ باپ سر مائیکل اوڈوائیر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کا دوست تھا۔ اس نے راز سربستہ کا سراغ لگالیا اور ان خطوط پر قبضہ کر کے انہیں (بہ واسطہ کمشنر ملتان ڈویژن) سر مائیکل کے حوالے کر دیا اس پر متعدد گرفتاریاں کی گئیں۔ حکومت ہند نے افغانستان سے احتجاج کیا اور مولانا عبید اللہ سندھی اور ان

کے دوستوں کو نظر بند کر دیا گیا۔ مولانا محمد میاں انصاری پہلے ہی مجاہدین کے مرکز چلے گئے تھے۔ ریشمی خطوط کے لکھنے والے بین الاقوامی صورت حال سے پوری طرح واقف نہیں تھے کیونکہ اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی شریف مکہ ترکوں کے خلاف بغاوت کر چکا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے رفقاء کو جلال آباد منتقل کر دیا گیا۔ امیر حبیب اللہ خان قتل کر دیئے گئے اور امان اللہ خان ان کے جانشین ہوئے وہ برطانیہ کے اس قدر زیادہ حامی نہیں تھے اور انہوں نے عبید اللہ سندھی کو کابل طلب کر لیا۔ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ انگریز افغان جنگ میں تھل کے مقام پر لاہور کے ایک طالب علم ظفر حسن نے قابل تعریف خدمات انجام دیں۔ ایک اور ہندوستانی طالب علم اللہ نواز نے بچہ سقہ کی بغاوت کے دوران ان کے موجودہ شاہی خاندان کی اچھی خدمت کی۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں مولانا عبید اللہ سندھی سرحد پار کر کے سوویت یونین چلے گئے۔

حجاز میں مولانا محمود حسن کی سرگرمیاں:

اب ہم حجاز میں مولانا محمود حسن کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہاں انہوں نے ترکی گورنر غالب پاشا سے ملاقات کی درخواست کی۔ ان کے گزشتہ حالات کے متعلق تحقیقات کرنے کے بعد غالب پاشا نے انہیں رازدار بنا لیا اور یہ مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان واپس چلے جائیں اور وہاں کام کریں مگر مولانا نے بتایا کہ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ غالب پاشا نے اس پر اصرار کیا کہ ہندوستان کے مسلمان بذات خود کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے اس لئے انہیں ہندوؤں سے تعاون کرنا چاہیے بالکل یہی وہ مشورہ تھا جو افغان ہمدردوں (حبیب اللہ خان) نے مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے رفقا کو دیا تھا۔ یہ مشورہ برعظیم کی مسلم قیادت تک پہنچا دیا گیا اور تحریک خلافت کے دوران مسلمانوں پر اور دیوبندی مکتب فکر کے علماء کی اکثریت پر ان کے بعد کی پوری سیاسی فکر میں اس کا زبردست اثر رونما ہوا۔ مولانا محمود حسن قسطنطنیہ جا کر انور پاشا سے ملنا بھی چاہتے تھے۔ جس کے لئے انتظامات کر دیئے گئے تھے مگر انور پاشا اور جمال پاشا خود مدینہ آئے اور مولانا محمود حسن کو ان سے خفیہ ملاقات کرنے اور اپنے منصوبوں پر بحث کرنے کا موقع مل سکا۔ انہوں نے ہندوستانیوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کسی طاقت کا انتداب یا سرپرستی کسی شکل میں قبول کر کے اپنی مکمل آزادی کے سوال پر کوئی سمجھوتا نہ کریں۔ وہ پرامید تھے کہ مستقبل قریب میں ایک امن کانفرنس بلائی جائے گی جس میں ترکی اور اس کے اتحادی ہندوستان کی آزادی کا سوال اٹھائیں گے۔ مولانا محمود حسن نے درخواست کی کہ انہیں برعظیم کی سرحد پر لشکر مجاہدین میں پہنچانے کے انتظامات کر دیئے جائیں مگر انہیں بتایا گیا کہ چونکہ ایران کے بعض حصوں پر اتحادیوں کا قبضہ ہے اس لئے اس ملک میں سے راہداری کا انتظام ممکن نہیں ہے۔

انہوں نے مولانا محمود حسن سے وعدہ کیا کہ وہ ایک خط عربی اور فارسی میں انہیں بھیجیں گے جسے مقصد

کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ خطوط موعود بہت جلد شام سے موصول ہو گئے جہاں وہ دونوں ترکی وزیر انور پاشا اور جمال پاشا مدینے سے گئے تھے۔ یہ خط ایک صندوق کی تہ میں ایک خلا کے اندر بڑی احتیاط سے چھپائے گئے تھے اور اس کے اوپر کچھ کپڑے ترتیب سے رکھ دیئے گئے تھے۔ یہ صندوق مولانا محمود حسن کے بعض معتمد اشخاص کے ساتھ ہندوستان بھیج دیا گیا اور انہیں یہ ہدایت کی گئی کہ یہ خطوط ضلع مظفر نگر میں حاجی نور الحسن کے حوالے کئے جائیں جو دھلی کے فوٹو گرافر احمد مرزا سے ان کے فوٹو گراف نکلوا کر انہیں ان اشخاص میں تقسیم کرائیں گے جن کے نام ظاہر کئے گئے ہیں۔ یہ پورا مشن کامیابی کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ اگرچہ ہندوستانی پولیس کو صحیح اطلاع کئی مرتبہ ملی مگر پوری طرح تحقیقات کرانے کے باوجود ان خطوں پر قبضہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

شریف مکہ کی بغاوت :

یہ حکایت ایک دلچسپ جاسوسی افسانہ معلوم ہوتی ہے (لیکن حقیقت تھی) اگرچہ اس تمام مہم کا خالص نتیجہ محض صفر تھا کیونکہ جنگ نے دول وسطی کے خلاف رخ اختیار کر لیا اور یہ امر یقینی ہو گیا کہ ان کی شکست ناگزیر ہے مولانا محمود حسن اپنے آئندہ لائحہ عمل پر گفتگو کرنے کی غرض سے غالب پاشا کی ملاقات کے لئے مدینہ سے طائف گئے وہ ابھی وہیں تھے کہ شریف مکہ نے ترکی کے خلاف بغاوت کر دی اور طائف مدینہ سے منقطع ہو گیا۔

شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی گرفتاری :

چھ ہفتوں کے بعد مواصلات بحال ہوئے اور مولانا طائف سے مکہ آسکے یہاں شریف کے ایک عامل نے ان سے ایک بیان پر دستخط کرنے کے لئے کہا جس میں ترکی کے خلاف اس کی بغاوت کو جائز قرار دیا گیا تھا ان کے انکار پر وہ اور ان کے رفقاء گرفتار کر لئے گئے اور انہیں جدہ بھیج دیا گیا اور وہاں سے قاہرہ پہنچایا گیا تھا جہاں ایک برطانوی عہدہ دار نے جو ہندوستان سے اسی خدمت کے لئے مامور تھا ان پر سخت جرح کی اس کے بعد انہیں مالٹا لے جایا گیا اور وہاں جنگی قیدی کی حیثیت سے (تقریباً تین برس تک) رکھا گیا۔

افغانستان اور حجاز میں جو واقعات پیش آئے ان سے عوام کو اس وقت تک کوئی واقفیت نہیں ہوئی جب تک کہ ۱۹۱۸ء میں "سڈیشن کمیٹی" کی روداد شائع نہیں ہوئی۔ اس وقت تک جو کچھ وقتاً فوقتاً حکومت کے علم میں آتا رہا اسے بھی اخبارات میں جانے کی راہ نہیں ملی کیونکہ اسے شائع کرنا خلاف مصلحت ہوتا۔

رازداروں کی کمزوری :

ان مشکل مہمات پر جن لوگوں کو لگایا گیا تھا انہوں نے بحیثیت مجموعی رازوں کی پردہ داری اچھی طرح

کی صرف دو مستثنیات تھے۔ ایک وہ آدمی (عبدالحق) جسے ریشمی خطوط کی ترسیل کا کام سپرد کیا گیا تھا اور دوسرا (محمد مسعود) مولانا محمود حسن کا ایک رشتہ دار (بھانجا)۔ موخر الذکر کو ڈاکٹر انصاری نے اس لئے عرب بھیجا تھا کہ ایک ہزار روپیہ مولانا کو دیتے تھے اور ان کے متعلق حکومت ہند کے عام رویہ کا جو پتا چلا تھا اس سے انہیں مطلع کرنا تھا۔ مولانا محمود حسن نے اس شخص کو انور پاشا اور جمال پاشا کے خط کے متعلق تفصیلات بتا کر راز دار بنالیا کیونکہ وہ لوگ جو اس صندوق کو لے گئے بمبئی پر جہاز سے اترتے ہی گرفتار کر لئے گئے مولانا یہ چاہتے تھے کہ ان اشخاص تک پیغام پہنچ جائے جنہیں اس خط کی نقول متعدد لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کرنے تھے یہ رشتہ دار پولیس کے ایک تجربہ کار عہدہ دار کی جرح میں اپنی ناتجربہ کاری کے باعث بول گیا اور سب کچھ اگل دیا۔

علمائے دیوبند کا غیر معمولی کارنامہ :

دو علمائے دین کے لئے جنہوں نے تعلیم گاہوں کی خانقاہی عزلت میں پرورش پائی ہو اور جو نہ صرف خفیہ تنظیموں کا بلکہ حسب معمول سیاسی سرگرمیوں کا بھی کوئی سابقہ تجربہ نہ رکھتے ہوں کسی بین الاقوامی نوعیت کی سازش میں جوڑ توڑ کرنا اور ایک وسیع پیمانے پر خفیہ کام کی تنظیم کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔

حواشی

اختلافات ہوتے لیکن سوال یہ ہے کہ ان میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا کتنا حصہ ہے اور وہ ان اختلافات کے کس حد تک ذمہ دار تھے؟ حضرت گنگوھوی محدث تھے 'فقیہ تھے 'مفتی تھے 'مرشد راہ طریقت تھے 'مصلح عوائد و رسوم تھے درس و تدریس حدیث و فقہ 'افتاء و تعلیم وارشاد ان کا شب وروز کا معمول تھا اور اسی کے لئے ان کی زندگی وقف تھی اگر انہوں نے تعلیم و تلقین اور اصلاح وارشاد اور تزکیہ و تہذیب کے لئے کسی طالب علم یا کسی مرید یا مرشد سے کوئی بات کہی تھی یا شریعت کا کوئی مسئلہ بیان کیا تھا اور لوگ اسے لے اڑے تھے اور کوچہ و بازار کی چیز بنادیا تھا تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اختلاف و نزاع کا الزام ان کے سر تھوپ دیا جائے؟ کیا وہ سیرت و سنت اور حدیث نہ پڑھاتے 'فقہ کے مسائل نہ بتاتے 'فتویٰ نہ دیتے' تعلیم وارشاد سے ہاتھ اٹھالیتے؟ ان کا تو کام ہی یہ تھا 'یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا 'یہ باتیں ان کے فرائض میں شامل تھیں وہ انہیں کیسے چھوڑ سکتے تھے دیکھنا تو یہ چاہیے کہ آیا انہوں نے اپنی مسندِ درس و تدریس 'حدیث و فقہ سے

اٹھ کر منصب افتأ و تعلیم وارشاد کو ترک کر کے کوئی اختلافی مسئلہ چھیڑا تھا کسی دوسرے مسلک و مکتب کے خلاف کوئی رسالہ لکھا تھا اور کسی معاصر یا متقدم کے خلاف کوئی مجلس اختلاف و نزاع سجائی تھی ؟ اگر ایسا نہیں ہوا تھا اور فی الواقع نہیں ہوا تو وہ اس کے ذمہ دار کیسے ہو سکتے تھے ؟

ڈاکٹر صاحب نے آگے بھی یہ الزام بزرگان دیوبند اور بانیان دارالعلوم پر لگایا ہے۔ شاید وہاں بھی کچھ عرض کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

(۲) ڈاکٹر صاحب نے یہاں کوے کی حلت ' تمام دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف فتوی 'امکان کذب' امتناع نظیر حضرت خاتم النبین ' مزارات پر عرس کے اجتماع ' فاتحہ و میلاد کے مروجہ طریقوں کے مسائل میں بزرگان دیوبند کے فتوے اور رویے کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب یہ نہیں کہتے کہ ان کے رویے یا فتویٰ غلط تھے ڈاکٹر صاحب خود بھی اسی رویے کے تھے کہ خواہ دنیا کے جذبات کچھ ہوں لیکن اگر فتویٰ کتاب وسنت کی روشنی میں یا کسی مسلک فقہ کے مطابق پوچھا جائے تو مفتی کا فرض ہے کہ کتاب وسنت یا اسی دائرہ عقائد یا اسی خاص مسلک کے مطابق دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ علی کل شئی قدیر ہے اور اس کی قدرت کاملہ کے منافی ہے کہ وہ "کچھ" کرنے سے عاجز ہو۔ سلسلہ نبوت اتمام کو پہنچا' دین مکمل ہو گیا۔ سنت الٰہیہ قائم ہو چکی اس کا قیام ودوام ہی اس کی مشیت ہے اور یہ اس کی مشیت سے بعید ہے کہ وہ اپنی ٹھہرائی ہوئی سنت کے خلاف کرلے لیکن اس "قدرت" اس سے ماوارا اور سب سے ماورا ہے۔

یہ بات فکر واعتقاد وعمل کے کسی ایک دائرے تک ہی محدود نہیں پورے عالم انسانیت 'عالم حیوانات 'عالم نباتات و جمادات اور کل کائنات ارض و سما پر محیط ہے اللہ تعالیٰ نے توالد و تناسل 'نشو و نما' حیات و موت لیل و نہار کی گردش ' موسموں کا تغیر و تحول' شمس و قمر اور ثوابت و سیارگان کا بسر و قیام کا ایک نظام ٹھہرا دیا ہے۔ یہ اس کی غیر غیر متبدل اور دائمی سنت ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتا اور کرے گا بھی نہیں۔ یہی سنت اس کی مشیت ہے۔ لیکن اگر کوئی محترم قاری یہ فرمائیں کہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نفی کے مترادف اور ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے ایمان کے خلاف ہے۔

حالات ووقت کے مطابق اچھے کام ہوتے رہیں 'خدمت دین' تبلیغ اسلام اصلاح مسلمین ونوع انسانی کے نئے نئے پہلو اور نئے نئے میدان سامنے آئیں گے اور ان میں حصہ لے کر مسلمان سعادت دارین حاصل کریں گے لیکن اتمام نعمت الٰہی (دین) کے بعد کوئی عمل دین نہیں بن سکتا اور اسلام کے نظام عقائد و عبادات میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

خلاف اسلام اور کسی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے لئے مضر رساں اور نقصان دہ رسموں کے ڈاکٹر صاحب اور ہر معقول شخص اتنا ہی خلاف ہو گا جتنا کہ کوئی عالم دین! کوئے کی اقسام کی شرائط کے ساتھ اس کی حلت و حرمت کا فقہ کی کتب میں ایک مسئلہ ضرور ہے کہ یہ ہماری زندگی کا مسئلہ نہیں۔ جن علمأ نے کسی خاص قسم کے کوے کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے 'کوا کھایا انہوں نے بھی نہ ہو گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اگر کسی نے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں یا کسی خاص فقہی

مذہب کے مطابق مسئلہ پوچھا تھا اور بتانے والے نے انہی شرائط کے دائرے میں بیان کر دیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ کوا حلال ہے اور اس کا کھانا شرائط ایمان میں سے ہے نہ انہوں نے اس کے لزوم طعام کیلئے کوئی تحریک چلائی۔ یہ جواب بھی تذکرہ الرشید کی چھ سات سطروں سے زیادہ طویل نہیں۔ اس تذکرے سے اگر ڈاکٹر صاحب کا مقصد ہو کہ یہ جواب دیا ہی نہیں جانا چاہیے تھا اور یہ توقع حضرت گنگوہی سے تھی تو یہ شکوہ مستفسر اور مستفتی سے کیوں نہ کیا جائے کہ اس نے ایسا سوال ہی کیوں پوچھا تھا کہ جو سوسائٹی کا مسئلہ ہی نہ ہو جس کی عملی قدر صفر ہو جب کہ مستفتی کے جواب میں خاموشی خلاف اخلاق ہو 'اعراض معیوب' انکار دلیل عجز اور نص کتاب و سنت کا خلاف جواب دینا معصیت! یہ مسئلہ ان بزرگوں نے نہ اٹھایا تھا اور اس پر بحث و مناظرہ کیا تھا استفتا کا ضروری حد تک جواب دیا تھا اور یہ ان کا شرعی فرض تھا۔

وہ تمام اعمال جو آیہ تکمیل دین اور خیر القرون عہد نبوی کے بعد احداث ہوئے اور نص کتاب و سنت میں ان کے عمل و ترک کا کوئی حکم موجود نہیں' بدعت ہیں اور بدعت جلی و خفی اور درجات کے کم وبیش کے باوجود ضلالت ہے اور ضلالت میں حسنہ وسیئہ کی کوئی تقسیم نہیں اس میں ساری دنیا کے مسلمان مبتلا ہو جائیں تب بھی "بدعت" ضلالت ہی رہے گی حق اور صواب نہیں بن جائے گی۔ معیارِ حق کتاب و سنت ہے نہ کہ عوام کا تعامل اور انکی پسند' ناپسند یا کسی عالم دین کا فتویٰ! ان بزرگوں نے تو عرس و میلاد کے اجتماعات اور مروجہ فاتحہ و نیاز کو تواریخ و ایام متعینہ اور شرائط خاص کے لزوم اور خلاف شریعت اعمال کے بغیر موجب خیر و برکت لکھا ہے اور ایصال ثواب کے تو وہ قائل ہیں اور اس پر ان کا عمل ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے حضرت حاجی صاحب امداد اللہؒ کے فیصلہ ہفت مسائل کے اختصار' جامعیت' زبان کی صحت اسلوب کی شائستگی جواب کی قاطعیت' مصنف کے مزاج کی نرمی' رویے کے اعتدال اور شرافت پر غور نہیں فرمایا یہی تمام خوبیاں مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاوی کی ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب ان پر سرسری نظر بھی ڈال لیتے تو ناممکن تھا کہ وہ ان کے دلائل کی محکمی تحریر کی مقبولیت' تحریر کی شرافت اور ان کے رویے کے اعتدال سے متاثر نہ ہوتے لیکن ڈاکٹر صاحب نے انکے فتوے کے جواب میں ایک بے نام ناقد کا حوالہ دیا ہے لیکن اس کی تحریر کی صحت و ثواب اور اس کی زبان و اسلوب بیان کی شرافت و معقولیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا البتہ اس بے نام شخص کی تنقید کے جواب میں مولانا خلیل احمد کے جواب الجواب کو غیر ضروری طور پر سخت ناپسندیدہ زبان میں قرار دیا ہے اگرچہ اس مقام پر کلام کی بہت گنجائش ہے لیکن اس سے صرف نظر کرتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ سب سے پہلے تو ڈاکٹر صاحب کو جواب الجواب کتاب و سنت کے خلاف اور غلط ثابت کرنا چاہیے تھا اگر ایک بات لوگوں کے ذوق و مزاج اور عادت کے خلاف ہے تو خواہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اس کے ترک کی دعوت انہیں گراں گزرے گی لوگوں کی پسند اور ان کی ملامت کو معیار تو نہیں بنایا جاسکتا۔ ہم یہاں غیر ضروری' بے موقع ناپسندیدہ' اشتعال انگیز' تمسخر آمیز' مذموم اور شرم ناک بیان کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ تحریر ڈاکٹر صاحب کے بزرگ اور انہی کے مکتب فکر کے بانی و مبانی سر سید احمد کی ہے۔

سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۳ وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لهم جنت .... هم فيها خالدون کی تفسیر میں جنت کی تشریح و تعارف میں فرماتے ہیں: "یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے اس میں سنگ

مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں سرسبز شاداب درخت ہیں۔ دودھ 'شراب وشہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں ہر قسم کا میوا کھانے کو موجود ہے۔ ساقی وساقین نہایت خوبصورت 'چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسین پہنتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں 'ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ 'ایسا بیہودہ پن ہے' جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں" (تفسیر القرآن جلد اول ،لاہور 'مطبع گلزار محمدی ۱۸۵۱ء ص ۴۴)

کوئی آئے اور تفسیر کے مقدس فن کی اس تحریر کے مطالب کی صحت 'زبان کی متانت 'بیان کی معقولیت مفسر کے لہجے کی شرافت ثابت کر دے اور ڈاکٹر صاحب کی اخلاق و تعلیم و تہذیب تاریخ وسیاست میں ہزاروں صفحے جو سیاہ کئے ہیں ایک سطر ہی ان کے قلم سے اس تفسیر کی معقولیت یا غیر معقولیت میں دکھلا دے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب بعض علمائے حق کے رویے کو اس بنا پر نشانہ تنقید بناتے ہیں کہ وہ بعض اہل دنیا کے نزدیک پسند نہیں کیا گیا تھا وہ اپنے پیر ومرشد کی تحریر کی تہذیب وشرافت ہی کو ثابت کر دیتے۔

مفتی کا کام صرف فتویٰ دینا ہوتا ہے وہ اس پر عمل کرانے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ مستفتی ایک فتوی پوچھتا ہے مفتی اسے شریعت کا مسئلہ بتا دیتا ہے۔ مستفتی اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ مفتی کو اس سے غرض نہیں ہوتی اس کے برعکس مفسر صرف بیان کر دینے کے بعد بے نیاز نہیں ہو جا سکتا۔ تفسیر بیان کر دینے پر اس کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا۔ مفسر بیان کردہ احکام و مسائل پر عمل کا داعی اور محرک بھی ہوتا ہے وہ تفسیر اسی لئے لکھتا ہے اگر یہ مقصد اور مطلوب نہ ہو تو تفسیر کی تالیف واشاعت کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہاں بھی وہی طرز فکر اختیار کیا ہے کہ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے بعض شرعی فیصلے کچھ مقامی لوگوں کو پسند نہیں تھے۔ حضرت شہیدین نے اسلامی حکومت کا قیام کا عزم کیا تھا تو گویا انہیں عوام سے پوچھ پوچھ کر ان کے جذبات کی روشنی میں فیصلے کرنا لازم تھے اور چونکہ اسلام کا یہ بنیادی رکن انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا اس لئے جو کچھ علاقے کی مقامی آبادی نے دشمنوں کی سازش اور انگیخت پر کیا وہ صحیح تھا! یا للعجب!

(۴) ڈاکٹر صاحب نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ظہور کے واقعے کا ذکر اس طرح فرمایا ہے جیسے یہ بھی کسی دیوبندی بزرگ کی غلطی کا نتیجہ تھا! اعلیٰ حضرت کی عمر تقریباً دس برس کی تھی تو دار العلوم دیوبند قائم ہوا تھا وہ در حقیقت دار العلوم کے بانیوں کے نہیں ان کے شاگردوں اور خردوں کے معاصر تھے اس لئے انہیں بانیوں کے افکار واعمال کے رد عمل کی پیداوار نہیں کہا جا سکتا البتہ ان کا تعلق اور سابقہ اپنے معاصرین سے رہا تھا اور ناممکن تھا کہ ان کے منفی یا مثبت اثرات انہوں نے قبول نہ کئے ہوں پچیس تیس برس کے بعد کی تحریرات میں ان اثرات کا پتا چلتا ہے ان کے ذہن پر یہ اثرات کب اور کیسے مرتب ہوئے ہمارا یہ مسئلہ نہیں۔ ہمیں اس سے غرض ہے کہ وہ اثرات کیا تھے ان کے اثرات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک نہ صرف دیوبند 'تھانوی وغیرہ کافر تھے بلکہ وہ بھی جو اعلیٰ حضرت

کے فتوی کی صحت میں شبہ کریں اور دیوبندیوں اور تھانویوں کو کافر نہ سمجھیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم بھی بہ ایں سبب کہ پیر میخانہ علی گڑھ کے پیرو ہیں ان کے نزد کافر ہی ہیں مرے۔ الا یہ کہ انہوں نے سرسید کے عقائد سے توبہ کرلی ہو اور دیوبندیوں کے کفر پر بالا علان ایمان لائے ہوں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کے مقابلے میں کسی دیوبندی' تھانوی عالم نے ان کے فتاوی اور تحقیقات کی رورد میں خواہ کچھ ہی لکھا ہو ان کے کفر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا کسی نے فتویٰ نہیں دیا کیا دیوبندیوں کے اعتدال و توازن اور شرافت کے ثبوت کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ بات کافی اور لائق تحسین نہیں ؟

اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب دیوبندی عالم کی احکام الٰہی اور شریعت حقہ کے بیان میں صاف گوئی اور اصابت کو غیر ضروری طور پر سخت ناپسندیدہ زبان قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہی طرز فکر ہے تو ہم اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں ؟

(۵) مجھے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے نیازمندی کا تعلق ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ ان کے دامن کو حریفانہ کھینچا جائے اس موقع پر مجھے ایک حکایت یاد آرہی ہے ایک شیر اور آدمی میں دوستی ہوگئی ایک روز ایک دیوار کے پاس سے دونوں گزر رہے تھے دیکھا دیوار پر ایک تصویر میں آدمی شیر کا گلا گھونٹ رہا ہے اور شیر بے بس ہے۔ آدمی نے اپنے دوست شیر سے پوچھا : "دیکھا آپ نے ؟" شیر نے جواب دیا "ہاں! برش آدمی کے ہاتھ میں تھا!" میں بھی اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ قلم ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں تھا!

ہندوستان میں مسلمانوں کے چند ادارے تھے جو تاریخ کے نہایت دور میں حالات اور وقت کے ناگزیر تقاضوں اور مسلمانوں کی اہم ضرورتوں کے تحت قائم ہوئے تھے۔

۱۔ دارالعلوم دیوبند اور اس مسلک کے دوسرے ادارے .... قدیم تعلیم کے مراکز

۲۔ مدرسہ العلوم علی گڑھ '(کالج بعدہ یونیورسٹی) ...... جدید تعلیم کا مرکز

۳۔ دارالعلوم ندوۃ العلماٗ ' جسے دردمندان قوم نے قدیم و جدید کی خلیج پاٹنے اور تعلیم و تربیت کے بہترین سانچوں میں ڈھلی ہوئی بلند اخلاق 'اعلیٰ وافکار' روشن خیال 'اور پختہ سیرت کی نئی نسل تیار کرنے کے لئے قائم کیا تھا' ایسے گویا دیوبند اور علی گڑھ کی تعلیم کے بہترین نتائج کا مجمع البحرین ہوتا تھا۔

۴۔ جامعہ علمیہ اسلامیہ دہلی اور اس قسم کے دوسرے ادارے جو ۲۱۔۱۹۲۰ میں تحریک خلافت کے نتیجے میں ترک حوالات پروگرام کے تحت قائم کئے گئے تھے اور کہیں کہیں اب یہ تاریخی قومی یادگاریں باقی ہیں۔

ان میں سے دارالعلوم دیوبند اور اسکے برادر اداروں کے بارے میں اپنی مایوسی کا اظہار کردیا ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماٗ کی پیداوار اور اس کے نتائج سے اپنی بے زاری اور برأت کا اظہار بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنی اسی تالیف علماٗ میدان سیاست میں کردیا ہے اور چونکہ جامعہ علمیہ اسلامیہ دہلی نے علی گڑھ کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور اس کی حریف بن گئی تھی اس لئے ڈاکٹر صاحب اس سے بھی ناراض ہیں۔ اب لے دے کے علی گڑھ کالج رہ جاتا ہے 'اسی کے بارے میں خاکسار نے

محترم ضیاالدین لاہوری کے مجموعہ مقالات "نقش سر سید" پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کالج کی تعلیم و تربیت کے ثمرات و نتائج پر جو کچھ لکھا تھا، آپ بھی اسپر ایک نظر ڈال لیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کیا لاتا ہے جس کی یاد کا جشن منایا جائے؟ خاکسار نے دیکھا

"سر سید کی شخصیت صرف فراز کی شخصیت نہ تھی، وہ زندگی اور سیرت کے نشیب سے بھی آشنا ہوتی تھی انہوں نے قومی اصلاح و ترقی کے بڑے بڑے کام انجام دیئے تھے 'بلکہ ادب' تاریخ' صحافت وغیرہ میں بعض اولیات ان سے منسوب ہیں۔ لیکن اور مذہب و سیاست میں ان کے خیالات افکار اور اقدامات نے مسلمانوں میں پستی بے اعتقادی اور بے دینی پیدا کی۔ تعلیم میں ان کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہ تھا اور نہ اس کا کوئی متوقع نتیجہ نکلا۔ شبلی و ابوالکلام تو دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے تھے' اس کے نتائج سے حالی بھی مطمئن نہ تھے ان کی تعلیم و تربیت کا شاہکار ان کا بیٹا وقت کا سب سے بڑا شرابی تھا جس نے اپنے باپ کو بڑھاپے میں گھر سے نکال باہر کیا تھا پھر کبھی اپنے گھر میں آنا انہیں نصیب نہ ہوا۔ پرانی تعلیم و تہذیب کے پروردہ ایک دوست نے اپنے گھر کا دروازہ ان پر کھولا اور پھر ان کے صحن سے سر سید کا جنازہ ہی نکلا۔ مذہب میں آزاد خیال اور ذوق محدود توسع کو اتنا دخیل کیا کہ پورا نظام عقائد و عبادات تہ و بالا ہو گیا۔ سیاست میں ان مرحوم نے وہ سبق دیا کہ مسلمان ملکی اور قومی دھارے سے کٹ کر الگ ہو گئے۔ انگریزی حکومت پر اس اعتماد کی تعلیم دی کہ تحریک آزادی کے انتہائی عروج کے دور میں بھی مسلمانوں کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تھا ان مرحوم کو زور شور سے ساتھ پاکستان کے مفکروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر بر صغیر کی سیاسی تحریک کو انہیں کے افکار کی روشنی میں چلایا جاتا تو نہ ہندوستان آزاد ہوتا نہ پاکستان ہی کا وجود نقش پذیر ہو سکتا تھا جو دل کی گہرائیوں سے انگریزوں کی حکومت کے دائمی و ابدی ہونے کی دعا کرتا ہو اور مسلمانوں کے لئے اسے خدا کی سب سے بڑی رحمت گردانتا ہو' اس کے افکار میں ہندوستان کی آزادی یا پاکستان کے تصور کی بھی کہاں گنجائش نکل سکتی تھی۔ سر سید کی شخصیت اور ان کی سیرت و خدمات کا کچھ اس طرح ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا مسلمانوں کے ذہنوں پر کسی نے جادو کر دیا ہو"۔ (نقش سر سید: ضیاء الدین لاہوری' کراچی' مکتبہ رشیدیہ' ۱۹۹۸' ص ۲۷۱)

(۶) صحیح نام "جنود ربانیہ" یا "لشکر نجات" ہے اور انگریزی میں "مسلم سالوشن آرمی" نام رکھا تھا۔

(۷) اولاً مسلمانوں کے سامنے یہی مقصد رہا تھا کہ وہ تنہا اپنی قوت بازو سے ملک کو آزاد کرا دیں گے۔ ۱۸۵۷ کے بعد تک اس انداز فکر کا پتا چلتا ہے لیکن بعد میں ان کے غور و فکر نے ثابت کر دیا کہ ملک کی آزادی حاصل کرنا اور انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنا تنہا مسلمانوں کے بس کی بات نہیں رہی۔ اس لئے سب کا رویہ بدلا اور سب نے برادران وطن سے اشتراک و تعاون کی راہیں استوار کیں۔ جماعتوں کے طریق کار میں بھی یہ بات شامل کی گئی۔ حکیم اجمل خان' ڈاکٹر انصاری' مولانا محمد علی' اقبال' محمد علی جناح' حسرت موہانی' ابوالکلام آزاد سب کا یہی مسلک تھا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا عبید اللہ سندھی کا رویہ غالب پاشا اور امیر حبیب اللہ خان کے مشوروں سے نہ بالا تھا لیکن ان کے مشوروں سے خیال ضرور پختہ ہو گیا تھا۔

(باقی صفحہ نمبر ۶۹ پر)

یادرفتگان

ضبط وترتیب : مولانا حامد الحق حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ایک جید فاضل دیوبند مولانا ڈاکٹر اسرار الحق کی وفات

(نوٹ) مولانا حافظ اسرار الحق" ولد جناب شیخ انوار الحق صدیقی " ۱۹۲۵ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں ۸ صفر ۱۴۲۲ھ بمطابق ۳ مئی جمعرات کو انتقال کر گئے۔ آپ کے جنازہ میں حضرت مہتمم صاحب کے علاوہ مہتمم صاحب کے ماموں (قدیم فاضل دیوبند) حضرت مولانا عبدالحنان صاحب جہانگیروی اور کئی ممتاز علماً دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور طلباً نے شرکت کی۔ ادارہ اور دارالعلوم حقانیہ کے سب افراد آپ کے بیٹوں ڈر کامل و وقار احمد صاحبان اور آپ کے خاندان سے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ ان کی تدفین کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے مجمع سے حسب ذیل مختصر خطاب کیا.................. (ادارہ)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

کل نفس ذائقة الموت عزیز بھائیو!

نماز جمعۃ المبارک قریب ہے قلیل وقت ہے' سب اہل جنازہ نے نماز جمعہ کی تیاری بھی کرنی ہوگی میں صرف حضرت مولانا اسرار الحق صدیقی نوراللہ مرقدہ کی تدفین کے موقع پر ان کی چند خصوصیات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میت کے موقع پر وعظ اور واعظ موجود نہ بھی ہو تو روایات میں آیا ہے کہ موت خود واعظ ہے۔ کفی المرء با الموت واعظا۔ موت حق ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ روئے زمین پر ہر چیز کے لئے فنا ہے۔ ماسوائے اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک کے کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال و الاکرام۔ مگر موت العالم موت العالم مولانا مرحوم کا اچانک رات کو کار حادثہ میں انتقال کر جانا ہم سب کیلئے باعث صدمہ بنا

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کا ایک اور درجہ دے کر ان کے درجات کو بلند کرنا تھا۔ خاندان کیلئے بھی یقیناً یہ حادثہ شدید صدمے کا باعث ہے۔ مولانا کی زندگی کے متعلق شاید سارا مجمع اور اہل اکوڑہ اپنے اس شہر کے باسی عالم سے بہتر طریقے سے واقف نہیں۔ انہوں نے طبابت اور زراعت کا راستہ اختیار کر کے اپنی علمی صلاحیتوں کو محدود کر دیا ورنہ آج اور حالات ہوتے۔ وہ ایک جید عالم دین تھے 'ان کی موت اکیلے ان کے صاحبزادوں کا صدمہ یا صرف خاندان کے لئے نہیں بلکہ ایک عالم کی موت ہے۔ ان کے ضبط کردہ علوم' تحریرو مخطوطات سے آج کئی علماً اور شیخ الحدیث بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ ان جیسی صلاحیت والے انسان آج بہت کم ہیں۔ علم کے میدان میں ان کا ذخیرہ علم محفوظ کرنا چاہیے۔

زمانہ طالب علمی میں مولاناؒ نے دارالعلوم دیوبند میں امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کی سنا ہے کہ ان کے پرچے نمونہ اور یادگار کے طور پر آج بھی دارالعلوم دیوبند میں موجود ہیں ۔ مولاناؒ نے ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث مکمل کرنے کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔ وہ حضرت مولانا اسعد مدنی اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان کے رفیق درس تھے ۔ مولانا سریع القلم اور قوی الحافظ شخصیت تھے ان کے اساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ' شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ' شیخ الحدیث حضرت مولانا اعزاز علیؒ کی تقاریر و آمالی مولانا نے ٹیپ ریکارڈ اور کمپیوٹر سے زیادہ بہتر طریقے پر نقل کی تھیں۔ بخاری شریف 'ترمذی شریف کی کاپیاں انہوں نے انتہائی محنت سے ان اکابرین کے دروس سے نقل فرمائی' مولاناؒ نے دارالعلوم حقانیہ کے بانی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے طحاوی وغیرہ خصوصی شاگرد کی حیثیت سے پڑھی۔ یہ تحریرات ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔ جس کی حفاظت ضروری ہے۔ یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا لعلم درجات وہ آخر وقت تک علمی ذوق سے وابستہ رہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا مرحوم پر اعتماد تھا۔ مولانا مرحوم اگرچہ بعد میں تدریس کے شعبہ سے منسلک نہ رہے لیکن گھر کے علاوہ اپنے کلینک میں بھی ہر وقت کتاب کے مطالعہ اور شوقِ تحریر میں مصروف نظر آتے۔ مولاناؒ حضرت والد مرحومؒ کے ساتھ دارالعلوم کے ابتدائی دنوں سے دارالعلوم کی خدمات اور ترقی میں کوشاں رہے اور ابتدائی دور میں دو ایک سال دارالعلوم حقانیہ میں تدریس بھی کرتے رہے میں نے بھی ایک آدھ کتاب پڑھی۔ اب مرحوم کی مغفرت اور اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ امین۔

لاَ اِلٰہَ اِلاّ اللہ

از مکاں تا لامکاں لا الہ الا اللہ
سرِ وحدت کا جہاں لا الہ الا اللہ
یہ شجر مہر و قمر کائناتِ بحر و بر
سب میں ہے جلوہ فشاں لا الہ الا اللہ
اک ردائے نور ہے بس چراغِ طور ہے
رحمتوں کا سائباں لا الہ الا اللہ
"سلسلہ در سلسلہ قافلہ در قافلہ"
کارواں در کارواں لا الہ الا اللہ
وجہِ موجودات بس اک خدا کی ذات بس
باقی سب ہیں بے نشاں لا الہ الا اللہ
ہر قسم حالات میں عالمِ سکرات میں
لب پہ جاری ہر زماں لا الہ الا اللہ
کشتی ساحل یہی کائنات دل یہی
دم بدم وردِ زباں لا الہ الا اللہ
دبدبہ ایقان کا زمزمہ ایمان کا
اور فانیؔ حرزِ جاں لا الہ الا اللہ

علامہ اسرار الحق حقانی

قبلہ اولیٰ اور قبلہ ثانیہ کے مابین تعلق

پاک ہے وہ ذات بابرکات جس نے رات کے ایک حصے میں اپنے برگزیدہ بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا' وہ مسجد اقصیٰ جس کی فضائیں برکتوں سے معمور ہیں' تاکہ ہم لوگوں کو اپنی قدرت کے مظاہرے دکھائیں۔ بیشک اللہ دیکھتا اور سنتا ہے (سورۃ الاسراء آیت۔۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس روئے زمین پر دو خطوں کے مابین ایک مقدس رشتہ ورابطہ قائم فرمایا ہے اور ان پاکیزہ خطوں کو قبلہ کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ ان دو مقامات کے درمیان اس مقدس رابطہ کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمادیا ہے' جس میں کوئی تحریف یا تبدیلی راہ نہیں پاسکتی۔ چنانچہ قرآن کریم قیامت تک رہنے والی دائمی مقدس کتاب ہے اور اس طرح دو مقدس قبلوں کا تذکرہ بھی تا قیامت محفوظ رہے گا۔ حکمت الٰہی کا منشا یہی تھا کہ قبلتین کے مابین یہ مقدس رشتہ و تعلق انسانیت کے قلب و دماغ میں ہمیشہ کیلئے ثبت ہو جائے۔ پختہ اور راسخ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے انہی دو مقدس مقامات کو ایک ایسے یگانہ اور منفرد معجزے کیلئے میدان کے طور پر منتخب فرمایا جو اس نے پوری کائنات میں صرف اپنے ایک بندے کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندے 'اشرف المخلوقات اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام (کعبہ شریف) سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر کرایا اور اس طرح سفر 'معراج کے نقطہ آغاز اور اختتام کے طور پر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے مابین قبلہ اولیٰ اور قبلہ ثانیہ کے نام سے ابدی و دائمی تعلق اور رابطہ کو قیامت تک محفوظ فرمادیا۔

آج جب کہ بیشتر مسلمان ضعیفی اور کمزوری کا شکار' ناامیدی اور بزدلی ان پر غالب آگئی ہے اور وہ بھی دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو چکے ہیں۔ "حقائق کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں" دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کا مقصد دراصل مسلمانوں کو خوفزدہ اور مرعوب کرنا' قبلہ اولیٰ اور قبلہ ثانیہ کے مابین مذکورہ تعلق ختم کرنا' جس کی گواہی قرآن کریم نے دی ہے۔ بیت المقدس پر صیہونی تسلط اور بالادستی حاصل کرنا اور مسجد اقصیٰ پر یہودی قبضے کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول' روئے زمین پر تیسرا سب سے بڑا مقدس مقام اور نبی کریم ﷺ کا مقام معراج ہے چنانچہ دنیا بھر کے مسلم ممالک' حکومتوں' عوام' جماعتوں اور تنظیموں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ضعیفی اور کمزوری' ناامیدی اور بزدلی کا لبادہ اتار کر بیت المقدس کو صیہونی ظالمانہ تسلط

سے آزاد کرانے کے لئے جان ومال کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائیں ان نام نہاد حقائق کے خلاف انقلاب کا اعلان کردیں ہر سال لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ کے مناسک کی ادائیگی کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نبی کریم ﷺ' صحابہ اور تابعین کی پیروی میں مکہ مکرمہ اور مسجد حرام (بیت اللہ) کا رخ کرتے ہیں' حج اور عمرہ کرنے والے ان لاکھوں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس حکمت میں سوچ وبچار کریں جو اس نے قبلتین (دو قبلوں) کے مابین ربط تعلق میں پوشیدہ رکھی ہے۔ اگر وہ غور کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بیت اللہ کے گردان کا طواف اور سعی اس وقت تک فریضہ جہاد سے تغافل اور صرف نظر کے مترادف ہو گا جب تک مسجد اقصیٰ کینہ پرور اور غاصب صیہونیوں کے زیر تسلط ہے جنہیں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے کہ

"وہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں"

چنانچہ جب تک فلسطین کے مسلمان مرد و عورت' بچے اور بوڑھے دنیا کے سامنے قتل کئے جا رہے ہوں۔ مسجد اقصیٰ کی جگہ یہو.ی عبادت گاہ کی تعمیر کے منصوبے بنائے جا رہے ہوں۔ اپنے بھائیوں کے خلاف بدترین جرائم ور اپنے مقامات مقدسہ کی اس کھلی توہین اور بے حرمتی کے بارے میں اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں کی قابل افسوس خاموشی اور بے حسی حج و عمرہ کی اصل حکمت و فلاسفی کے سراسر خلاف ہے جس کا اصل مقصد دنیا کے کونے کونے سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد بیت اللہ شریف میں اکھٹے ہو کر اتحاد اسلامی کا بے مثال عالمی مظاہرہ کرنا' دشمنوں کو مرعوب کرنا حق و انصاف کی بالادستی اور مظلوموں کی مدد و نصرت کرنا تاکہ اللہ کو ماننے والے دنیا میں سر اٹھا کر عزت سے جینے کے قابل ہوں۔ لہذا اس ماہ مقدس' ماہ رمضان' ماہ قرآن اور لیلۃ القدر کے مہینہ کے دوران عمرہ کی ادائیگی کے اور آئندہ مقدس مہینوں کے دوران فریضہ' حج کی ادائیگی کی غرض سے بیت اللہ شریف اور مقامات مقدسہ کا سفر کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کے لئے ہماری پکار ہے کہ و متفق و متحد ہو کر' واقعہ معراج کے اس تاریخی اور ایمان معجزہ کی یاد میں' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام (بیت اللہ شریف) اور مسجد اقصیٰ کے ایمانی' روحانی اور مقدس رشتہ و تعلق کو تا قیامت ثابت فرم دیا۔ چنانچہ اس ایمانی سفر کی یاد میں بیت اللہ میں مجتمع ہونے والے لاکھوں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی طرف مارچ کریں اور سفر معراج کی یاد میں مسجد اقصیٰ میں اکھٹے نماز ادا کریں۔ دنیا بھر کے فریضہ' حج ادا کرنے والے مسلمانوں سے ہمارا مطالبہ کہ وہ اس سال حج کے موقع پر مسجد اقصیٰ کو مت بھولیں اسے بے یار و مددگار مت چھوڑیں اور نہ ان (مجاہدین) کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے :

"وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے"

چنانچہ مسجد اقصیٰ کی فضاؤں میں اللہ کی حمد و ثنا اور بڑائی بیان کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع' اس خطہ' زمین کے تقدس وپاکیزگی کی گواہی دے گا اور اس کی حق تلفی کی کسی بھی کوشش کے خلاف ان کے اتحاد و اتفاق کا عظیم مظاہرہ ہوگا۔ جس سے ان مجاہدین کو حوصلہ و قوت ملے گی جو اس وقت دنیا میں امریکہ کی مدد و حمایت کے سہارے سب سے بڑی فوجی طاقت کے سامنے سینہ سپر ہیں' بیت المقدس میں مسلمانوں کا یہ عظیم اجتماع اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اسلام دشمن طاقتوں کے پروپیگنڈہ کے برعکس مسلمان ابھی ایک زندہ اور طاقتور امت ہیں اور وہ بیت المقدس میں اپنے فلسطینی مجاہدین بھائیوں کے ساتھ عملی طور پر شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ چنانچہ حج و عمرہ کرنے والے لاکھوں مسلمانوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ہر سال بیت اللہ سے بیت المقدس تک اجتماعی اور متحدہ سفر کے لئے تیاری کریں اور حق و انصاف کی سربلندی بیت المقدس کے دفاع اور قبلہ اول کی آزادی کی خاطر برسرپیکار ان مجاہدین کی تائید و حمایت ۔ں بیت المقدس کی سمت رخت سفر باندھیں۔

بقیہ صفحہ ۵۵ سے

بزرگان دیوبند اور ان کی خدمت ملی

حضرت شیخ الہند کے تعلقات ہندو انقلابیوں سے سفر حجاز سے پہلے سے تھے خود ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ دیوبند میں ہندو انقلابیوں کو ٹھہرانے کے لئے حضرت نے ایک الگ مکان لے رکھا تھا یہ کوئی عام مہمان خانہ نہ تھا بلکہ سیاسی ملاقاتوں اور صلاح و مشورے کے لئے ایک خفیہ جگہ تھی۔

بانی پاکستان محمد علی جناح تو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کہلاتے تھے اور آزادی کی جدوجہد میں دونوں قوموں کے اشتراک و اتحاد کی جدوجہد کے نظریے میں بہت پرجوش تھے اور اس دور میں جب کہ وہ ملکی سیاست میں ہندو مسلم اختلاف و منافرت کی علامت بن گئے تھے اور تقسیم ملک ہی کو ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا واحد حل سمجھتے تھے' اتحاد کی ضرورت اور اہمیت کے منکر نہ تھے۔ مشترکہ جدوجہد کے نظریے میں دیوبندی مکتبہ فکر کی کوئی تخصیص نہ تھی البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے نظریے اور اس کے تقاضوں کا لحاظ کرنے میں سب سے زیادہ صادق و مخلص تھے جب انہوں نے سوچ سمجھ کر ایک نظریہ قائم کرلیا اور اسے اپنا سیاسی مسلک بنالیا تو منافقت کی آلودگی سے اسے بہر طور بچائے رکھا۔

مولانا محمد ابراہیم فانی

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : کتابوں کی درسگاہ میں مولف : مولانا ابن الحسن عباسی

ضخامت : ۲۶۴ صفحات قیمت : درج نہیں

ناشر : مکتبہ عمر فاروق بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی نمبر ۲۵

زیر تبصرہ کتاب "کتابوں کی درسگاہ میں" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ مختلف موضوعات پر ہزار ہا صفحات پر مشتمل کتابوں سے منتخب شدہ ان دلکش و دلاویز اور عبرت انگیز و حیرت خیز عبارات و واقعات علمی لطائف اور ایسے بصیرت افروز و سبق آموز معلومات کا مرقع ہے جس کو قاری ایک ہی نشست میں ختم کر کے پھر بھی ایک تشنگی محسوس کرتا ہے کہ کاش اگر اس میں مزید صفحات کا اضافہ ہوتا تو بھی دل و دماغ پر گراں نہ گزرتا۔ بلکہ اس سے اور بھی ذہن میں تازگی اور طراوت کی ایک مسحور کن لہر دوڑ جاتی۔

مولف کتاب مولانا ابن الحسن عباسی نے تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ جب تصنیفی میدان میں قدم رکھا تو انتہائی قلیل مدت اور کم عرصہ میں آپ کی ایسی شہکار تصنیفات و تالیفات سامنے آئیں جن کو علماً و طلباً اور تعلیم یافتہ طبقہ میں انتہائی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جو کہ آپکی تحریر کے موفق من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اہل قلم علماً سلف و خلف کا یہ طریقہ مستمرہ چلا آرہا ہے کہ دوران مطالعہ جو بھی کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی نادرہ، علمی لطیفہ، ادبی نکتہ اور تاریخی عجوبہ یا اس قسم کی دوسری حیرت انگیز عبارتیں سامنے آتیں تو ان کو نشان زد کر کے بعد میں اسے ترتیب دے کر اپنے مطالعے کا نچوڑ اور ہزار ہا صفحات سے عطر کشید کر کے محفوظ کرتے یہ ان حضرات کا ایک عظیم احسان ہے اس لئے کہ اس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوق مطالعہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ ایسی کتابوں منتخبات اور "ثمرات الاوراق" کی فہرست کافی طویل ہے۔

مولانا ابن الحسن عباسی کی یہ کتاب بھی اسی سلسلہ الذھب کی ایک زرین کڑی ہے معنوی لحاظ سے اس کی خوبی و جاذبیت میں تو کلام نہیں۔ مگر ظاہری زیب و آرائش کے اعتبار سے یہ کتاب بھی آپ کی دوسری کتابوں کی طرح مکتبہ عمر فاروق والوں نے انتہائی دیدہ زیب اور خوبصورت انداز میں شائع کی ہے۔ بلا شبہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ علم و مطالعہ کا ذوق رکھنے والا اس کو اپنی لائبریری کی زینت بنائے جبکہ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر مذاق کا حامل شخص اس سے یکساں طرز پر مستفید ہو سکتا ہے۔

کتاب : احکام الاسلام ضخامت : ۱۵۷ صفحات

تصانیف : حضرت مولانا علامہ محمد ایوب الہاشمی قدس سرہ قیمت : درج نہیں۔

ملنے کا پتہ : دار العلوم عربیہ اسلامیہ دھموڑ۔ ایبٹ آباد

احکام اسلام حضرت مولانا ایوب الہاشمی کی دوسری تصنیف ہے جس میں آپ نے نماز' روزہ' حج' زکوۃ صدقات جیسے ارکان اسلام کے متعلق احکام اور مسائل ذکر کئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اعتقادات اور ایمانیات کے بارے میں بھی مختصر مباحث آئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مسائل میراث کو خاص اہمیت دے کر اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تعلموا الفرائض فانہا نصف العلم کے فرمان کے مطابق اس علم کو وہ مقام نہیں دیا گیا جس کا یہ متقاضی ہے۔ فاضل مصنفؒ نے اس علم کے اساسی قواعد بھی ذکر کئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بطور تمرین مسئلوں کی وضاحت مثالوں سے کی گئی ہے جس سے سمجھنے میں کافی آسانی ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ نہ صرف اردو دان طبقہ اس سے استفادہ حاصل کریگا بلکہ طلباً و علماء بھی اس سے حظ وافر حاصل کر سکتے ہیں۔

کتاب : نبیؐ و صدیق مولف : وکیل صحابہ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہ

ضخامت : ۲۵۶ صفحات قیمت : ۱۰۰ روپے

ملنے کا پتہ : ۔ مکتبہ محمودیہ گلی نمبر ۷ شیراز پارک فیصل آباد

عظمت مقام صدیق اکبرؓ' خلیفہ اول' یار غار رسالت مآب ﷺ پر اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک گواہ اور شاہد عدل ہے جس میں آپکے شرف صحابیت کی تصریح ہے۔ اذھمانی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معناً۔ اس میں آپکو صاحب رسولؐ کے عظیم الشان منصب و مرتبہ سے نوازا گیا اسی وجہ سے آپؓ کی صحابیت کا انکار کفر ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں وکیل صحابہ امام اہل السنۃ حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری قدس سرہ نے نبوت و صداقت کے مابین جو مماثلت اور جو گہرا تعلق تھا اس کو انتہائی پیارے اور دلربا انداز میں بیان کیا ہے جس کے ہر ہر سطر سے عشق و محبت اور عقیدت و وارفتگی کی خوشبو آتی ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہ صرف تاریخی دستاویز محققانہ کاوش اور بہترین کتاب ہے بلکہ اس لائق ہے کہ اس کو اپنی لائبریری کی زینت بنائی جائے۔

قارئین الحق کیلئے اطلاع

جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ مہنگائی کی شدید لہر نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے تازہ اقدام کے طور پر حکومت نے ڈاک سے وابستہ تمام متعلقات بھی مہنگے کردئے ہیں۔ ماہنامہ الحق جو پچھلے چند سالوں سے اشتہارات کی بندش اور اعزازی رسالوں کی بہتات کی وجہ سے شدید مالی مشکلات کا شکار ہے ڈاک کی مہنگائی اور طباعت کے اخراجات اور کاغذ کی قیمت میں کئی گنا اضافہ سے اس پر بھی کافی اثر پڑا ہے اس لئے ہم مجبوراً اس کی قیمت میں پانچ روپے اضافہ کررہے ہیں ۔امید ہے کہ قارئین علم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اس اضافہ کو بوجھ محسوس نہیں کریں گے۔ اگرچہ کافی عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی مگر ہم قارئین پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے تھے لیکن اب ادارہ اس کا مزید متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے تازہ شمارہ نئے نرخوں پر قارئین کو بھیجا جائے گا۔

نیا نرخ نامہ درج ذیل ہے' **قارئین نوٹ فرمالیں**

پاکستان میں سالانہ چندہ = ۲۰۰روپے ____ فی شمارہ ۲۰ روپے

بھارت ________ ۴۵۰روپے __ ہوائی ڈاک ۶۵۰روپے

بنگلہ دیش ______ ۵۵۰روپے

ایشیا' مشرق وسطیٰ مشرق بعید' افریقہ' یورپ و خلیجی ممالک ____ ۱۵ امریکی ڈالر

امریکہ' کنیڈا' آسٹریلیا ________ ۲۰ امریکی ڈالر

ماہنامہ الحق کی قریبی خصوصی اشاعت

"اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام"

ان دنوں تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ جس میں بیسویں صدی کی عالمی اسلامی تحریکات کا خلاصہ کامیابیوں کا جائزہ اور ناکامیوں کی داستانِ درد بھی موجود ہوگی اور ساتھ ہی اکیسویں صدی میں امریکی نیو ورلڈ آرڈر' صیہونیت اور عیسائیت کی مکروہ سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے فکری مواد بھی موجود ہوگا۔ ان شاء اللہ یہ نمبر عالم اسلام کیلئے ایک ٹھوس لائحہ عمل پر مبنی چشم کشا دستاویز تصور کیا جائے گا اور علمی و ادبی اور تاریخی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں کیلئے یہ نمبر خصوصی اہمیت کا حامل ہوگا۔

جن اہم حضرات کے مقالات ابھی تک وعدے کے مطابق موصول نہیں ہوئے ان سے آخری بار گذارش ہے کہ وہ اپنی گرانقدر نگارشات جلد از جلد ماہنامہ الحق کے نام ارسال کر دیں۔

نوٹ: جو ادارے اپنے اشتہارات اس نمبر میں شائع کروانا چاہتے ہیں تو وہ ابھی سے ادارہ سے رجوع فرمائیں۔

دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ' سرحد

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

Adarts-HRA-5/2001